معاہداتِ نبوی ﷺ کے سماجی اثرات اور عصری معنویت

(تجزیاتی مطالعہ)

مقالہ نگار

نوید اسلم

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

سیشن: ۲۰۱۹ء– ۲۰۲۲ء

معاہداتِ نبوی ﷺ کے سماجی اثرات اور عصری معنویت

(تجزیاتی مطالعہ)

مقالہ نگار

نوید اسلم

ریسرچ سکالر، شعبہ علومِ اسلامیہ

الشہادۃ العالمیہ، ۲۰۱۷ء

یہ مقالہ ایم فِل، علومِ اسلامیہ کی جزوی تکمیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

ایم فِل، علومِ اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

©(نوید اسلم)

بسم الله الرحمن الرحيم

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **معاہدات نبوی ﷺ کے سماجی اثرات اور عصری معنویت (تجزیاتی مطالعہ)**

The Social Effects of the Prophetic Agreements and Modern Spirituality.

(Analytical Study)

نام ڈگری: ایم فل، علومِ اسلامیہ

نام مقالہ نگار: نوید اسلم

رجسٹریشن نمبر: 1689-MPhil/IS/S19

ڈاکٹر نور حیات خان (نگران مقالہ)	______________________ دستخط نگران مقالہ
پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی (صدر شعبہ علوم اسلامیہ)	---------------------------------- دستخط صدر شعبہ اسلامی فکر وثقافت
پروفیسر ڈاکٹر خالد سلطان (ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز)	______________________ دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز
بریگیڈیئر نادر علی شاہ (ڈی جی نمل)	______________________ دستخط ڈی جی نمل

تاریخ: ________________

حلف نامہ فارم

(Candidate declaration form)

میں نوید اسلم والد محمد اسلم رول نمبر: MP-S19-511

رجسٹریشن نمبر: 1689-MPhil/IS/S19

طالب علم، ایم فل علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ

بعنوان: معاہدات نبوی ﷺ کے سماجی اثرات اور عصری معنویت (تجزیاتی مطالعہ)

<u>The Social Effects of the Prophetic Agreements and Modern Spirituality.</u>

(Analytical Study)

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور نور حیات خان کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے، اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لیے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: نوید اسلم

دستخط مقالہ نگار: ________________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

فہرستِ عنوانات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱.	مقالہ کی منظوری کا فارم(Thesis Acceptance Form)	Iv
۲.	حلف نامہ(Declaration)	V
۳.	انتساب(Dedication)	Viii
۴.	اظہار تشکر(A word of thanks)	Ix
۵.	ملخص مقالہ (Abstract)	X
۶.	مقدمہ	1
۷.	**باب اوّل: معاہدات نبوی کا تاریخی پس منظر**	8
۸.	فصل اول: معاہدہ کا مفہوم اور تاریخی پس منظر	9
۹.	فصل دوم: انسانی معاشرے میں معاہدات کی اہمیت وضرورت	37
۱۰.	فصل سوم: معاہدات نبوی کی مطالعاتی اہمیت	42
۱۱.	**باب دوم: معاہدات نبوی کے سماجی اثرات**	52
۱۲.	فصل اوّل: معاہدات نبوی کے مذہبی ودعوتی اثرات	53
۱۳.	فصل دوم: معاہدات نبوی کے سیاسی وسماجی اثرات	94
۱۴.	**باب سوم: معاہدات نبوی کی عصری معنویت**	130
۱۵.	فصل اول: معاہدات نبوی سے علمی وفکری استفادہ	131
۱۶.	فصل دوم: معاہدات نبوی سے مستفاد سیاسی راہنما اصول	135

۱۷.	فصل سوم: معاہدات نبوی کی سماجی واخلاقی افادیت	142
۱۸.	نتائج بحث	160
19.	تجاویز وسفارشات	161
20.	فہرست آیاتِ قرآنی	164
21.	فہرست احادیث	167
22.	مصادر ومراجع	168

انتساب

میں اپنی تحقیقی و علمی کاوش اپنے واجب الاحترام والدین اور اپنے برادران اکبر راجہ افضل حسین، انجینئر علی اصغر اور وسیم بھائی کے نام منسوب کرتا ہوں جن کی دعائیں اور تربیت میری زندگی کا سرمایہ ہیں۔ اور ان کی مدد سے میں نے اپنا تعلیمی سفر جاری رکھا۔

اظہارِ تشکر

الحمد لولیه والصلوة علی نبیه وعلی اله واصحابه اجمعین اما بعد!

سب تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے ہیں۔ جس نے ایسا حسین عالم رنگ و بو تخلیق فرمایا آدم علیہ السلام خاکی کو مقام خلافت اور انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور درود و سلام ہو اپنے آخری پیغمبر خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ بابرکات پر جو ہادی برحق، ہادی کون و مکاں اور فخر موجودات ہیں، جنھوں نے **معاملات اور معاہدات** کے ایسے رہنما اصول سکھلائے جو قیامت تک کے آنے والوں کے لیے رہنمائی کا وسیلہ ہیں۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے سیرت پیغمبر انقلاب ﷺ کے ایک پہلو **"معاہدات نبوی ﷺ کے سماجی اثرات اور عصری معنویت (تجزیاتی مطالعہ)"** پر تحقیقی کام کو مرتب کرنے کی توفیق و ہمت عطا کی ہے

اللہ تعالی کا یہ بھی احسان عظیم رہا کہ اس مقالے کے ابتدائی مرحلے سے لے کر آخری مرحلے تک **ڈاکٹر نور حیات خان (ایسوسی ایٹ پروفیسر نمل یونیورسٹی اسلام آباد)** کی خصوصی محبت و شفقت اور توجہ مجھے حاصل رہی انھوں نے انتہائی دیانت داری کے ساتھ ضروری علمی اور فنی مہارت سے میری راہنمائی فرمائی۔ لہذا میں ان کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں اور ممنون ہوں، جنھوں نے اپنی انتہائی مصروفیت کے باوجود مجھے اپنی سپرویژن میں رکھا۔ میں ان لیے دعا گو ہوں اللہ رب العزت انھیں دارین میں اجر عظیم عطا فرمائے آمین۔ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز کے شرف اور فضل کا اعتراف نہ کرنا علمی ناقدری کی علامت ہو گی جس مادر علمی کی وجہ سے مجھے ایم فل کا تحقیقی کام کرنے کا موقع ملا اس سلسلے میں شعبہ علومِ اسلامیہ کے اساتذہ کرام خصوصیت کے ساتھ جذبات تشکر کے مستحق ہیں جن میں سر فہرست محترم ڈین فیکلٹی سوشل سائنسز ڈاکٹر خالد سلطان اور صدر شعبہ اسلامی فکر و ثقافت محترم ڈاکٹر مستفیض احمد علوی صاحب اور کی میں دل کی گہرائیوں سے ممنون ہوں، نیز شعبہ علوم اسلامیہ کے تمام اساتذہ کے ساتھ ساتھ میں ہر اس فرد کا احسان مند ہوں جنھوں نے اس علمی کاوش کے دوران کسی نہ کسی انداز سے میری مدد کی اور مقالہ کی تکمیل کو سہل بنایا۔

آخر میں اللہ کے حضور دعا گو ہوں کہ میری اس ادنٰی سی کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین!

مقالہ نگار

نوید اسلم

Abstract

The Holy Prophet (PBUH) established bilateral relations with different Arab tribes as the first step right after laying the foundation of an Islamic state. Some treaties were made with several tribes. As a result of these agreements, Islam flourished and spread in a better way. On the other hand, state administration and mutual connectivity of tribes also emerged. Islam commands gratifying agreements, along it dislikes breaches of agreements.

In all agreements, it is very prominent that the Holy Prophet took good care of human rights agreements. The agreements also gave fundamental and religious rights to the citizens of each region. However, freedom of belief is maintained in all treaties. No citizen was forced to leave his religion and convert to Islam. Freedom of worship was granted, and it proved that the places of worship of non-Muslims living under the shadow of Islam are completely protected.

For the importance of the topic, I classified the topic into three chapters.

Chapter 1: The Historical Background of the Prophetic covenants.

Chapter 2: The social impact of the prophetic Agreements.

Chapter 3: The contemporary spirituality of the Prophetic Covenants.

In the present age, we can say that it is imperative that whenever a treaty is made nationally or internationally adherence to that treaty is a real success. In the end, the modern principles used from the Prophet's agreements have been mentioned, as Pakistan is an Islamic country, so these principles are important in the social system of Pakistan.

Keywords: tribes, agreements, social impact, human rights

مقدمہ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تعارف موضوع(Introduction of the topic)

حضور اکرم ﷺ نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھتے ہی سب سے پہلے عرب کے مختلف قبائل کے ساتھ تعلقات قائم کیے۔ اس سلسلے میں مختلف قبائل سے معاہدات کیے۔ ان معاہدات کی بدولت قبائل کو آپس میں جوڑنے، ریاستی نظم ونسق چلانے اوراسلام کی ترویج واشاعت میں بہت ہی مدد ملی۔ بین الاقوامی تعلقات استوار کرنے، سیاسی، دفاعی اور معاشی بہتری کے لیے بھی معاہدات کیے۔ اسلام معاہدات کو پورا کرنے پر بہت زور دیتا ہے خواہ شخصی ہوں یا اجتماعی، معاشی ہوں یا تجارتی، اخلاقی ہوں یا قانونی اسلام جنگ ہو یاامن دونوں حالتوں میں معاہدات کی پاسداری کا حکم دیتا ہے اور بغیر کسی وجہ سے نقض معاہدہ کو ناپسند کرتا ہے۔

"مگر ان مشرکوں سے جن سے تم نے عہد کیا تھا اور انھوں نے اپنا عہد پورا کرنے میں تم سے کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد کی تو جو مدت مقرر ہو چکی تھی اس تک ان عہد کہ پورا کرو بے شک اللہ پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے۔" (سورہ التوبہ:۴)

اسلام امن کا داعی ہے آپ ﷺ نے دیگر قبائل اور مذاہب سے جس قدر معاہدات کیے، ان سب کا مقصد پرامن بقائے باہمی تھا۔ اسلیے ہمیشہ ان معاہدات کی پاسداری کی۔ان معاہدات کی بدولت ہی ایک فرد کے دوسرے فرد اور ایک ریاست کے دوسری ریاست کے ساتھ تعلقات کے اصول وضوابط کا لازوال قانون مرتب ہوا۔

موضوع کی ضرورت واہمیت(Need & Importance of the topic)

معاہدوں کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی انسانی تاریخ. ابتدائے آفرینش سے ہی انسانوں کو ایک دوسرے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس انسانی ضرورت کے پیشِ نظر معاہدات کو منضبط کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ سیاسی، معاشی، تمدنی، سماجی اور مذہبی ہر لحاظ سے ان معاہدات کی اہمیت مسلم ہے۔

رحمت عالم ﷺ نے مدنی دور میں ان معاہدات کی بدولت مظلوم کی حمایت، ظلم وزیادتی کا سدباب اور صلح جوئی ممکن ہوئی اور ہر فرد / بشر کو امن سے زندگی بسر کرنا اور ایک دوسرے سے آزادانہ ملنے کا موقع میسر آیا۔

معاہدات کی پابندی اسلام کا ایسا امتیازی وصف ہے کہ جس سے بین المذاہب اور بین الاقوامی نظریات اور تصورات کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔اور بھائی چارے کی فضا فروغ پاتی ہے

معاہدات کسی بھی ریاست کے تمام تعلقات میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔اس خاص مقصد کے لیے ریاست پڑوسی ممالک اور باقی ممالک کے ساتھ کئی معاہدے کرتی ہے، جن کی پاسداری کو قول قرار دی جاتی ہے۔

سماج یا کمیونٹی بنیادی طور پر لوگوں کے ایسے مجموعے کا نام ہے جنہیں مشترکہ مفادات نے باہم مربوط کیا ہو۔ سماجی عناصر فرد، خاندان اور قوم پر مشتمل ہیں۔ہمارے سماج کی بقااور ارتقاء میں ان معاہدات کا بڑا عمل دخل ہے۔ان عوامل کے پیشِ نظر معاہدات نبوی کے سماجی اثرات کا مطالعہ ضروری ہے۔

مقاصد تحقیق (Objectives of the topic)

معاہدات نبوی کا سماجی نقطۂ نظر سے جو مطالعہ پیش کیا گیا ہے ان کے چند مقاصد درج ذیل ہیں:

۱۔ انسانی سماج میں معاہدات کی اہمیت کو اجاگر کرنا۔

۲- امن اور بقائے باہمی میں معاہدات کا کردار بیان کرنا۔

۳- معاہداتِ نبوی کے دعوتی اور معاشرتی اثرات کو بیان کرنا۔

۴- عصرِ حاضر کے تناظر میں معاہداتِ نبوی کی سماجی اہمیت کا تجزیاتی مطالعہ پیش کرنا۔

سوالاتِ تحقیق (Research Questions)

۱۔ معاہدات نبوی کا سماجی تاریخی پس منظر کیا ہے؟

۲- معاہدات نبوی کی عصری معنویت کے اہم پہلوؤں کیا ہیں؟

۳- معاہدات کے سیاسی پہلو کے لحاظ سے عصری رہنما اصول کی استفادی صورتیں کیا ہو سکتی ہیں؟

بیان مسئلہ:(Statement of the problem)

موضوع تحقیق کا بنیادی مسئلہ **معاہدات نبوی ﷺ** کے تناظر میں سماجی اثرات اور عصری معنویت کا جائزہ لینا ہے۔

موضوع تحقیق پر سابقہ کام کا جائزہ(Literature Review)

معاہدات ایک اہم موضوع ہے جس کا براہِ رست تعلق انسانی سماج سے ہے لیکن اس کی اہمیت اس وجہ سے اور اہم ہو جاتی ہے کہ جس کو آخری رسول ﷺ نے مستقل اور باکردار اصول و ضوابط سے مزین فرمایا ہے۔ اس لحاظ سے جن پہلوؤں پر کام ہوا ہے ان کا مختصر اور ضروری تذکرہ درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ معاہدات نبوی کا فقہی مطالعہ

(مقالہ نگار؛ شاہ معین الدین، نگران مقالہ؛ پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی)

یہ مقالہ پی ایچ ڈی لیول کا ہے۔ اس مقالہ میں معاہدات نبوی کے ہر پہلو کو فقہی نقطہ نظر سے پیش کیا گیا ہے۔ دفاعی، معاشی، مذہبی اور حلیفی معاہدات سے مستنبط فقہی مسائل کو تفصیلا ذکر کیا گیا ہے۔ فقہا کرام کی جدید اور قدیم آرا کو فقہی مسائل میں زیر بحث لایا گیا ہے۔ جدید بین الاقوامی قوانین کو معاہدات نبوی کے تناظر میں زیر بحث لایا گیا ہے اور ریاست کی دفاعی پالیسیوں پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

۲۔ معاہدات نبوی ﷺ کے معاشی اثرات کا تحقیقی جائزہ

(مقالہ نگار کاشف محمود، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی ۲۰۱۸)

اس مقالہ میں معاہدات نبوی کے تناظر میں معاشی مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ معاشی اصطلاحات اور معاشی پالیسیوں کو معاہدات نبوی کے تناظر میں بیان کیا گیا ہے۔ عہد نبوی میں ہونے والے معاشی معاہدات جو دیگر قبائل سے کیے گئے ان کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

۳۔ معاہدات نبوی ﷺ کے معاشی اثرات کے تناظر میں پاکستانی معیشت کا جائزہ

(مقالہ نگار ایاز بادشاہ، نگران مقالہ ڈاکٹر نور حیات صاحب)

معاہدات نبوی کی روشنی میں معاشی اثرات کو پاکستانی معیشت کے تناظر میں زیر بحث لایا گیا ہے۔ عصر حاضر کے معاشی کے مسائل و احکام کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ ان امور کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ معاہدات نبوی کے معاشی اثرات کیا ہیں؟ اور ان کے ذریعے معاشی ترقی کیسے ممکن ہے۔ معاشی اصول و ضوابط کو بیان کیا گیا ہے۔ اور پاکستانی معیشت کی ترقی میں معاہدات نبوی کے اصول و پالیسیوں کی تنفیذ کے ممکنہ طریقوں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ مقالہ ہذا میں معاہدات نبوی کی روشنی میں معاشی اثرات کو پاکستانی نظام معیشت اور معاہدات نبوی کے معاشی اثرات کا تطبیقی اور تقابلی جائزہ کو واضح انداز میں بیان کیا ہے۔

۴۔ سماجی تحفظ سیرت طیبہ کی روشنی میں

(مقالہ نگار اقرا ساجد نمل یونیورسٹی تکمیل ۲۰۱۷ نگران مقالہ ڈاکٹر نور حیات صاحب)

مقالہ ہذا میں معاشرتی مسائل کا حل سیرت طیبہ کی روشنی میں تلاش کیا گیا ہے-سماجی تحفظ کو اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ان عوامل کو مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے جو سماج عدم کا سبب بنتے ہیں۔بعد ازاں معاہدات نبوی کی روشنی میں جزوی طور پر عصر حاضر کی سماج کے لیے ممکنہ اقدامات کی بھی نشان دہی کی گئی اور ایک پر امن مثالی معاشرے کے معیارات اور اقدار کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

۵۔رسول اکرم ﷺ کی سیاسی حکمت عملی

(مقالہ نگار: رخسانہ یاسمین (ایم اے) نمل یونیورسٹی تکمیل ۲۰۰۴)

مقالہ ہذا میں عہد نبوی کے سیاسی نظام اور رسول اکرم ﷺ کی سیاسی حکمت عملیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔پیغمبر اسلام ﷺ کی دفاعی، معاشی، مذہبی، سیاسی حکمت عملیوں کو کو مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے۔معاہدات نبوی کے تناظر میں رسول اکرم ﷺ کی حکمت عملیوں کی مختلف جہتوں کو جزوی طور پر زیر بحث لایا گیا ہے۔آپ ﷺ کے بادشاہوں اور امراء کو لکھے جانے والے خطوط اور قبائل سے حلیفی معاہدات کے تناظر میں بھی۔آپ ﷺ کی سیاسی حکمت عملیوں کو جزوی طور پر زیر بحث لایا گیا ہے۔

۶۔خارجہ پالیسی کے نمایاں اصول (سیرت طیبہ کی روشنی میں)

(مقالہ نگار؛نازیہ پروین (ایم اے)، نگران ڈاکٹر ارم سلطانہ) نمل یونیورسٹی تکمیل ۲۰۱۶

مقالہ ہذا میں خارجہ پالیسی کی ضرورت و اہمیت اور اغراض و مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے اسلامی خارجہ پالیسی کے اصولوں کو بیان کیا گیا ہے۔معاصر خارجہ پالیسی کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔نیز عہد نبوی ﷺ میں معاہدات نبوی کے مختلف پہلو اور ریاست مدینہ میں قبائل کے وفود کی آمد کے تناظر میں اسلامی خارجہ پالیسی کے اصول وضوابط اور سفیروں کے حقوق و فرائض پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

کچھ مقالات جو مختلف مجلات میں چھپے ہیں اور میرے موضوع کے قریب ہیں چند ایک درج ذیل ہیں۔

ا۔عہد نبوی اور عہد خلفائے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہم غیر مسلم سے معاہدے

(ماہنامہ الاضواء، اگست ۲۰۱۶ء، احسان الرحمٰن نوری)

اس مقالے میں عہد نبوی اور خلفا کے دور میں غیر مسلم سے ہونے والے معاہدات کو زیر بحث لایا گیا۔بتایا گیا ہے کہ معاہدات کی کیا نوعیت تھی اور کن امور پر معاہدات کیے گئے اور ان معاہدات کے معاشرے پر کیا اثرات پڑے۔

۲۔اسلامی حکومت میں غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کا جائزہ معاہداتِ نبوی کی روشنی میں

(الایضاح ۳۱ دسمبر ۲۰۱۵ء، ڈاکٹر عشرت حسین، پروفیسر ڈاکٹر نیاز محمد)

اس مقالے میں معاہداتِ نبوی کی روشنی میں غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کو زیر بحث لایا گیا، بتایا گیا ہے کہ عہد نبوی میں غیر مسلم رعایا کو تمام تر حقوق دیئے گئے۔ ان کی جان و مال، مذہبی اور معاشی اور سماجی حقوق کے تحفظ کے لیے مناسب اقدامات کیے گئے اور ان سے سماجی تعلقات رکھنے کی تاکید بھی کی گئی۔ یہاں تک کہ مسلم و غیر مسلم سب کو حقوق امن و عدالت راحت وغیرہ یکساں دیے گئے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عصرِ حاضر میں غیر مسلموں کے حقوق کا خیال رکھا جائے۔

۳۔ باجگزارانِ روم و فارس سے معاہدات:

(ڈاکٹر معین الدین ہاشمی، ماہنامہ فکر و نظر، اسلام آباد)

اس مقالے میں روم و فارس کے زیر تسلط علاقوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ان علاقوں میں بسنے والے قبائل سے مختلف عمور پر کیے گئے معاہدات کو زیر بحث لایا گیا۔ اور ان کے علاقوں کو اسلامی حکومت کے زیر سایہ لایا گیا اور صلح و اماں اور حقوق کے تحفظ کی یقین دہانی کرائی گئی ہے۔

۴۔ میثاقِ مدینہ کی اہمیت و افادیت

(ڈاکٹر امان اللہ، فکر و نظر، جولائی ۲۰۱۶ء)

اس مقالے میں میثاقِ مدینہ کی دفعات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

اس دفعات کی سیاسی، سماجی، معاشی افادات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ یہ ایسا معاہدہ تھا جس سے اسلامی ریاست کو استحکام حاصل ہوا۔ کیونکہ اس معاہدہ کا ایک ایک لفظ مسلم اور غیر مسلم کے حقوق کا بہترین ترجمان ہے

۵۔ عہد نبوی ﷺ کے اسلامی معاشرے کی تشکیل میں افراد کا کردار: (مقالہ نگار حمیرا افضل، بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی ۲۰۱۲)

(مقالہ ہذا میں عہد نبوی ﷺ کے اسلامی معاشرے کی تشکیل میں افراد کا کردار کو کلیدی حیثیت قرار دیا گیا ہے)

٦۔غزوات النبی ﷺ کی معاشی حیثیت: (بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی۲۰۱۲)

(مقالہ ہذا میں غزوات کی روشنی میں معاشی اثرات کو زیر بحث لایا گیا ہے)

۷۔عہد نبوی اور خلفاء ابوبکر و عمر میں غیر مسلم سے معاہد ے: (ما ہنامہ الاضواء ،اگست ۲۰۱۶،احسان الرحمن غوری)

معاشرے میں معاہدات کی اہمیت کے پیش نظر غیر مسلم سے کیے گئے معاشی،سماجی اور مذہبی معاہدات کو زیر بحث لایا گیا ہے)

۸۔ با جگزان روم و فارس سے معاہدات :(ڈاکٹر معین الدین ہاشمی ماہنامہ فکرونظر اسلام آباد)

(مذکورہ آرٹیکل میں با جگزان روم و فارس سے معاہدات کی نوعیت اور ضرورت پر بحث کی گئی ہے)

۹۔رسو ل اللہ ﷺکے مکتوبات و معاہدات: (سید محبوب رضوی)

۱۰ ۔میثا ق مدینہ کے اہمیت و افادیت:(ڈاکٹر امان اللہ خان)

.The covenants of the Prophet Muhammad(PBUH) with the Christian world .

Author:John Andrew Morrow,Publisher:Anglico press,Sophia Perennic

سابقہ تحقیق میں موجود خلا

معاہدات نبوی ﷺکے معاشی اثرات پر کام ہوا ہے۔معاہدات کی معا شرتی صورتوں کوبیان کیا گیاہے۔ سماجی تحفظ کی اہمیت وافادیت کو سیرت طیبہ کی روشنی میں بیان کیاگیاہے سفارت کاری کے اصول اور ،غزوات کے معاشی اثرات کو دراسہ سابقہ میں بیان کیا گیا ہے

یہ تحقیقی موضوع (معاہدات نبوی ﷺ کے سماجی اثرات اور عصری معنویت(تجزیاتی مطالعہ) اس اعتبار سے انفرادی حیثیت کا حامل ہے کہ معاہدات نبوی ﷺکو سابقہ تحقیق میں **معاشی اور سیاسی اثرات** کے اعتبار سے بیان کیا گیاہے۔جبکہ اس موضوع میں معاہدات نبوی ﷺ کے سماجی اثرات پرباقاعدہ کام نہیں کیا گیا ۔ کہ ان معاہدات کے سماج پر کیا اخلاقی اور سماجی اثرات مرتب ہوئے۔ اس لحاظ سے اس موضوع پر کام کرنے کی ضرورت ہے ۔

تحدیدموضوع (Delimitation)

مقالہ ہذا کی تحدید(معاہدات نبوی ﷺ کے سماجی اثرات اور عصری معنویت)کا تجزیاتی مطالعہ کرنا

مقصود ہے۔

اسلوب تحقیق اور طریقہ (Research Method & Methodology)

- اس مقالے کا منہج تجزیاتی ہے۔
- بنیادی مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے۔ الصحیح البخاری، الصحیح المسلم، البدایہ والنھایہ، الطبقات الکبری، المبسوط وغیرہ۔
- بوقت ضرورت ثانوی مصادر سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ جیسے روح المعانی، تفہیم القران، تدبر القرآن

،

ضیاالنبی، کتاب الخراج، سیرت سرور عالم، سیرت النبی ﷺ

- اس کے علاوہ دیگر جدید برقی ذرائع اور مکتبات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ جیسے انٹرنیٹ ویب سائیٹ، محدث لائبریری، مکتبہ شاملہ، ۳۶۰ ایپ وغیرہ
- حوالہ جات کے لئے جامعہ نمل کے فارمیٹ کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔

بابِ اوّل

معاہداتِ نبوی کا تاریخی پس منظر اور مختلف پہلو

فصل اول: معاہدہ کا مفہوم اور تاریخی پس منظر

فصل دوم: انسانی معاشرے میں معاہدات کی اہمیت وضرورت

فصل سوم: معاہدات نبوی کی مطالعاتی اہمیت

فصل اوّل

معاہدہ کا مفہوم اور تاریخی پس منظر

معاہدہ کا معنیٰ و مفہوم:

معاہدہ کا جمع معاہدات ہے۔ معاہدہ کا مادہ (ع، ھ، د) ہے۔

معاہدہ باب مفاعلۃ سے مصدر ہے اور اس کا مجرّد (باب سَمِعَ) سے آتا ہے۔

مقیس اللغۃ میں اس کا معنیٰ ہے۔

الاحتفاظ بالشَیءِ وَ اِحداث العهد به[1]

ترجمہ: "کسی بھی چیز کی حفاظت کرنا عہد کہلاتا ہے"۔

المنجد میں عہد کے درج ذیل معنیٰ ہیں۔

"عهد (س) عَهِدَ الا قرُ: دیکھ بھال کرنا، حفاظت کرنا، عاھدة: معاہدہ کرنا

العهد: (مصدر) وفا۔ ضمان۔ امان۔ وصیت۔ میثاق۔ قسم

العهدان: ضمانت۔ کفالت

العهيد: معاہدہ کرنے والا"[2]

باب مفاعلۃ کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے اندر مشارکت کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ معنوی اعتبار سے ہر ایک فاعل اور دوسرا مفعول واقع ہوتا ہے۔

المصباح المنیر میں ہے۔

"وَمُعَاهداَيضاً بِا لبناءِ لِلفَاعِلِ وَ المفعُولِ لِاَنَّ الفِعلِ لِصَاحِبه مِثلَ مَا يفعَله صَاحِبه به فَعَلُّ وَاحِدٍفِى المعنى فَاعِل وهذاكَمَا يقَال مُكَاتِب وَ مُكَاتَب"[3]

---

[1] ۔القزوینی، احمد بن فارس بن زکریا، معجم مقلیس اللغۃ، بیروت دار الفکر، ۱۹۸۰ : ۴ / ۱۶۷

[2] ۔بلیاروی، عبد الحفیظ، ابو الفضل، مولانا، مصباح اللغات، المصباح اردو بازار، لاہور، ص ۵۷۲

[3] ۔حموی، احمد بن محمد، المصباح فی غریب الشرح الکبیر، بیروت، المکتبۃ العلمیہ، ص: ۲ / ۳۴۵

عاھد اور معاہد دونوں کا مصداق بعض اوقات ایک ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ مکاتِب اور مُکاتَب ایک دوسرے کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔

جیسے اگر کہا جائے کہ عاھد المسلمون الکُفّار مسلمانوں نے کفار سے معاہدہ کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ معاہدہ یک طرفہ نہیں بلکہ جانبین سے ہے۔ عہد لغت عرب میں کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

عہد بمعنیٰ حلف:

عہد حلف کے معنیٰ میں جب عاھد اور معاہد کے درمیان کسی بات پر وفاداری کا عہد ہو۔ حلیف اس بندے کو کہا جاتا ہے جو کسی بات پر وفاداری کی قسم لے اور عہد قائم کرے۔

جیسا کہ ابو ذؤیب کا قول ہے:

"فسوف تقول ان ھیَ لَم تجدنی۔ اَکان العھد اَم اثم الحلیف"[1]

ترجمہ: میرے نہ ہونے کی صورت میں وہ کہے گی کہ اس نے عہد شکنی کی یا حلیف اپنے قسم کے سبب گناہ گار ہوا۔

﴿مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ﴾[2]

ترجمہ: مؤمنون میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں کہ جو اقرار انھوں نے اللہ سے کیا تھا اس کو سچ کر کے دکھایا۔

یہ آیت ان صحابہ کرام کی بابت ہے جو غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ اہل بدر کے فضائل دیکھ کر کہنے لگے۔

"ہم ضرور کفار کے خلاف لڑیں گے۔"[3]

عہد بمعنیٰ عقد:

عقد سے مراد ایسا عہد و پیماں ہے جس کے اندر شدّت اور تاکید ہو۔ جیسے کہا جاتا ہے:

" عهدتُ اِلیٰ فلان بکذا"[4]

---

[1] ۔ مرصی، ابوالحسن علی بن اسماعیل، **المحکم وَالمحیط الاعظم**، بیروت، دارالکتب العلمیہ، ص:۳/ ۳۴۵

[2] ۔ الاحزاب:۲۳

[3] ۔ احمد تعلیلب، عبدالمنعم، **فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن**، دارالسلام، ص:۲/ ۱۸۶

[4] ۔ الجزائری، نورالدین (شیخ)، **الفرق اللغویۃ**، بیروت، مؤسسۃ النشر الاسلامی، ص:۱/ ۳۲۵

ترجمہ: میں نے فلاں سے اس بارے میں عہد کیا۔

اس سے صرف التزام مراد ہوتا ہے لیکن اگر کہا جائے "عقدت علیہ" تو اس سے مراد ایسا عہد ہے جو مؤکد ہو۔ معاقدہ سے مراد معاہدہ ہی ہوتا ہے۔ جیسے عَاقَدالقوم اَی تَعَاهدُوا قوم نے معاقدہ یعنی معاہدہ کیا۔

قرآن میں اس کی مثال:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾[1]

ترجمہ: اے ایمان والو عہد و پیماں کو پورا کرو۔

عقود عقد کی جمع ہے۔ بمعنیٰ ربط، محکم

"اصل العقدالربط محکِماً ثم تجوز به عن العهد المؤثق"[2]

پھر یہ عقد محکم میں مضبوط پیدا کرنے کے لیے استعمال ہوا عقود کے معنیٰ میں کئی اقوال ہیں۔

۱۔ عقود سے مراد وہ عہود ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے لیے ہیں۔

۲۔ اس سے مراد وہ معاملات ہیں جو لوگ روز مرہ آپس میں طے کرتے ہیں۔ جیسے خرید و فروخت اور اجارہ۔

۳۔ عقود وہ عہد و پیمان ہیں جو دورِ جاہلیت کے اندر مظلوم کی مدد کے لیے کیے گئے ہیں۔

"واختار بعض المفسرین اَنَّ المراد بها مَایعم جمیع مَا اِلزمه الله تعالیٰ عِبَارة وَعَقَد عَلیهم مِن التکالیف وَ الاحکام الدینیة"[3]

قول یہ ہے کہ عقود سے مراد اللہ کے اپنے بندوں پر مقرر کردہ وہ احکام دینیہ ہیں جو لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔

جیسے دیانت اور انصاف پر مبنی وہ معاملات جنھیں دین نے واجب قرار دیا ہے۔

عہد بمعنیٰ میثاق:

عہد میثاق کے معنیٰ میں بھی ہے۔

﴿أَوَكُلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا نَّبَذَهُ فَرِيقٌ مِّنْهُم﴾[1]

---

[1]۔ المائدہ:۵/ ۱

[2]۔ آلوسی، شہاب الدین محمود بن عبداللہ، **روح المعانی**، دارالفکر، ص:۵/ ۴۸

[3]۔ آلوسی، شہاب الدین محمود بن عبداللہ، **روح المعانی**، دارالفکر، ص:۵/ ۴۷

ترجمہ: ان لوگوں نے جب بھی اللہ سے عہد واثق (پختہ عہد) کیا تو ان میں سے ایک فریق نے اس کو پھینک دیا۔

عہد واثق ایسے وعدے کو کہتے ہیں جسے کسی قسم کے ساتھ مضبوط اور مستحکم کیا جائے۔[۲]

عہد بمعنیٰ وصیت:

وصیت سے مراد یہ ہے کہ بطور احسان کسی کو مرنے کے بعد اپنے مال کا مالک بنادینا۔

حکم یا بات میں تاکید پیدا کرنے کے لیے وصیت کی جاتی ہے۔

جیسے کہ قرآن میں ارشاد ہے:

﴿وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾[۳]

ترجمہ: اللہ کے عہد کو پورا کرو یہ (اللہ کے تاکیدی حکم کے ساتھ) تمھیں وصیت کی جاتی ہے۔ تاکہ تم یاد رکھو۔

مولانا ابولاعلیٰ مودودی اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"اللہ کے عہد" سے مراد وہ عہد ہے جو انسان اپنے خدا سے کرلے اور وہ معاہدہ بھی مراد لیا گیا ہے جو اللہ اور بندے کے درمیان ہو۔ان تمام صورتوں میں انسان کا خدا سے او راپنے معاشرے سے کیا گیا عہد کسی کاغذ کے ٹکرے پر کتابت کی صورت میں موجود نہیں ہوتا بلکہ انسان کے قلب و ذہن میں نقش ہوتا ہے۔اور اس کا پوراوجود اس عہد کا پابند ہوتا ہے۔"[۴]

امین اصلاحی اس آیت کی بابت لکھتے ہیں:

"اللہ کے ہر عہد کو پورا کرو اس میں وہ تمام عہد بھی آگئے جو اللہ نے بندوں سے لیے ہیں اور وہ عہد بھی جو ہم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہیں۔ ہر عہد کی جواب دہی اللہ کے ہاں ہے اس لیے ہر عہد بنیادی طور پر اللہ کا عہد ہی ہے۔"[۵]

---

[۱]۔ المائدہ:۲

[۲]۔ محمد شفیع، مفتی، **معارف القرآن**، دارۃ المعارف القرآن، ص ا/ ۱۴۹

[۳]۔ الانعام:۱۵۲

[۴]۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، **تفہیم القرآن**، علی مجید پرنٹرز، لاہور، ص ا/ ۲۰۱

[۵]۔ اصلاحی، امین حسن، **تدبر القرآن**، فاران فاؤنڈیشن، ص:۳/ ۲۰۳

سورۃ بنی اسرائیل میں اس بات کو عام رکھا گیا ہے۔

﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾[1]

ترجمہ: اور عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے میں ضرور پرسش ہو گی۔

معاہدہ" کی مندرجہ بالا مباحث کی روشنی میں لغوی اعتبار سے کئی معنوں میں مستعمل ہوا ہے گویا معاہدہ کا لفظ مجموعی طور پر اہم عہد و پیماں اور دو افراد کے مابین معاہدہ کے انعقاد، اختفاظ اور التزام کے لیے بولا جاتا ہے۔

لفظ "معاہدہ" بندوں کے مابین ہونے والے عہد کے لیے بھی بولا جاتا ہے اور اللہ اور بندوں کے مابین ہونے والے عہد کے لیے بھی مستعمل ہے اور ہر عہد کی اصل میں اللہ کے حکم کی پاسداری ہے کیوں کہ سارے معاہدے بنیادی طور پر اللہ کا عہد ہی ہیں

علامہ کاسانی معاہدے کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

لفظ "معاہدہ" مفہوم کے اعتبار سے "معاہدہ" کے مشترکات، مہادنہ اور موادعہ کے الفاظ میں مفہوماً معاہدہ کے لیے بولے جاتے ہیں لیکن لغت کے اعتبار سے ان الفاظ کو ان امور کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

"مہادنہ" کا لفظ اس "صلح" کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جب قتل و غارت یا جنگ کے بعد صلح کی جائے لیکن بعض اوقات یہ لفظ وقتی طور پر صلح کے لیے بھی بولا جاتا ہے جب کہ "موادعہ" کا لفظ جنگ بندی کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل مندرجہ ذیل حاشیہ میں بیان کی گئی ہے۔[2]

یہودیت

ادیان سماویہ میں قدیم مذہب یہودیت ہے۔ یہودیت الہامی مذاہب میں قدیم مذہب ہے جو حضرت موسیٰ پر نازل شدہ تعلیمات کی طرف منسوب ہے۔ اس کی تاریخ بہت طویل ہے۔ اس قوم کو قرآن مجید کے مطابق اللہ تعالیٰ نے بے انتہا نعمتوں سے نواز (ان سے وقتاً فوقتاً عہد و پیمان باندھا ہے) جس کا تذکرہ جگہ جگہ ملتا ہے تاہم انھوں نے کئی عہد شکنیاں کی ہیں

---

[1] ۔بنی اسرائیل: ۳۴

[2] ۔**الموادعہ ھی المعاھدہ الصلح** علی ترک القتال توادع الفرایقان اَی تعاھداً علیٰ ان یعز و کل واحد منھُما گویا وہ معاہدہ جو (قتل و غارت سے پہلے) ترک قتال کے لیے کیا جاتا ہے۔ **المھادنہ وَھی المعاہدۃ** والصلح علی ترک القتال بعد القتال (س میں قتل و غارت کے بعد ترک قتال (جنگ) پر معاہدہ کیا جاتا ہے۔"
حوالہ: (مالکاسانی، ابو بکر مسعود، علاؤالدین، **بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع**، کتاب الیسر، باب فی بیان من الاسباب المعرمۃ للقتال، ص ۷۔۱۰۸)

اگرچہ یہود اللہ کی لاڈلی قوم تھی لیکن نافرمانیوں سے وہ مقام جو اللہ تعالیٰ نے انھیں دیا تھا مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے ان سے وہ مقام عزت چھین لیا گیا اور یہ اللہ کے ہاں محبوب کے بجائے مغضوب ٹھہرے

کی وجہ سے ان سے وہ مقام عزت چھین لیا گیا اور یہ اللہ کے ہاں محبوب کے بجائے مغضوب ٹھہرے

گویا یہود کی تباہی کی بنیادی وجہ اللہ اور اس کے رسولوں اور ان کی تعلیمات سے انحراف ہے۔

یہودیت کا تاریخی پس منظر:

الہامی ادیان میں سب سے قدیم ترین مذہب یہودیت ہے۔ جس کی نسبت پیغمبر حضرت موسی علیہ السلام کی طرف کی جاتی ہے ۔ یہ ابراہیمی مذاہب میں سے ایک اہم توحیدی مذہب ہے۔ جس کے پیروکار بنی اسرائیل کہلاتے ہیں۔ اس وقت پوری دنیا میں ان کی تعداد ایک سو بیالیس ملین ہے۔ اس وقت ان کا مرکز اسرائیل ہے ۔ دینِ یہودیت کی الہامی کتاب توریت ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی [1]

یہودیت میں معاہدات کی اہمیت:

اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو نئی شریعت تورات کی شکل میں دینے کے لیے کوہ طور پر طلب کیا۔ اس کلام میں اللہ نے آپ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے لیے دس بنیادی احکام دیے۔ ان احکام میں سے ایک حکم "ایفائے عہد" بھی ہے۔ اس عہد کا تذکرہ اللہ اور بندوں کے مابین بھی ہے اور عہد کا تعلق بندوں کے مابین بھی ہے۔ یہودیت میں معاہدوں کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ احکامِ عشرہ بطور میثاق اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیے۔ [2]

یہ احکام بطور معاہدہ اور شریعت دو پتھر کی تختیوں پر لکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو دیے تھے۔ جیسا کہ عہد نامہ قدیم میں ہے کہ:

"تب خدا نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ یہ باتیں تمھارے اور بنی اسرائیل کے درمیان معاہدہ ہیں۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن اور چالیس راتوں تک بغیر کچھ کھائے پیئے خداوند کے ساتھ رہے
اور ان دس احکام کو لوحوں کی تختیوں پر لکھا
یہ دس احکام درج ذیل تھے۔
"۱۔ اللہ کے سوا ل کسی کی عبادت نہ کرنا

---

[1] ۔ یوسف ظفر، یہودیت، احمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۹، ص ۳۸

[2] ۔ یوسف ظفر، یہودیت، احمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۹، ص ۳۸

۲۔ کسی جاندار کی مورت نہ بنانا اور نہ اسے سجدہ کرنا

۳۔ اللہ کے نام کی تعظیم کرنا

۴۔ "ہفتہ" کے دن کو عظیم جاننا۔ (باقی چھ دن کام کاج کرنا اور اس دن کوئی کام نہ کرنا)

۵۔ قتل نہ کرنا

۶۔ والدین سے عزت سے پیش آنا

۷۔ زنا نہ کرنا

۸۔ چوری نہ کرنا

۹۔ کسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا

۱۰۔ اپنے پڑوسی کے مال و مویشی اور بیوی کی لالچ نہ کرنا"[۱]

مذہب یہودیت میں انسانوں کے مابین معاہدات اور احکام تورات

"یہودیت" کی نظر میں معاہدے کے اصول وضوابط کا بھی تذکرہ ملتا ہے ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں سزا کا نفاذ، عہد وپیمان، خاندانی بقا کا اصول، سزا میں انصاف کا قیام اور حق تلفی کی ممانعت شامل ہیں

ا۔ سزا کا نفاذ:

"یہودیت" کی تعلیمات میں بھی نقصِ عہد پر سزا دی جاتی ہے۔ جیسے الاستثناء میں ہے کہ "اگر کوئی عہد کو توڑتے ہوئے آپس میں جھگڑا کرے تو قاضی ان کا فیصلہ کرے جو حق پر ہو اسے بے گناہ قرار دے اور جس کی وجہ سے معاہدہ ٹوٹا اس کی شرارت کی وجہ سے اسے چالیس کوڑے لگوائے۔ اسے زیادہ نہ مارے کہ وہ تجھے حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔"[۲]

۲۔ عہد وپیمان کا اصول:

معاہدے میں سے دوسرا اصول معاہدے کو پورا کرنا اور عہد وپیمان پر کاربند رہنا ہے جیسے الاستثناء میں اپنا مال فروخت کرتے ہوئے اپنے تھیلے میں چھوٹے اور بڑے باٹ نہ رکھنا اور نہ اپنے گھر میں چھوٹے بڑے پیمانے رکھنا۔ کیوں کہ اگر عہد وپیمان میں کمی کی تو یہ خداوند کا عہد توڑنے کی طرح ہے۔ یہ کام خداوند کے نزدیک مروہ ہیں۔

---

[۱] ۔ جے سموئیل، **عہد نامہ عتیق کا تاریخی پس منظر**، خاطر پرنٹرز، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۵

[۲] ۔ **عہد نامہ جدید، کتاب متی**، باب ۶، بائبل سوسائٹی پاکستان، لاہور، ص ۱۹۰

معاہدے میں سے دوسرا اصول معاہدے کو پورا کرنا اور عہد و پیمان پر کار بند رہنا ہے جیسے الاستثناء میں اپنا مال فروخت کرتے ہوئے اپنے تھیلے میں چھوٹے اور بڑے باٹ نہ رکھنا اور نہ اپنے گھر میں چھوٹے بڑے پیمانے رکھنا۔ کیوں کہ اگر عہد و پیمان میں کمی کی تو یہ خداوند کا عہد توڑنے کی طرح ہے۔ یہ کام خداوند کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں۔

۳۔ خاندانی بقا کا اصول:

"یہودیت" میں ایک سماجی معاہدے کو بھی برقرار رکھا جاتا ہے جو ان کی خاندانی بقا کا ایک اصول ہے۔ جیسے کہ الاستثنا میں ہے۔

> "اگر کسی عورت کا خاوند مر جائے تو اور عورت کو اولاد نہ ہو تو مرحوم کا بھائی اپنی بھاوج کو بیوی بنا لے اور اس عورت سے جو بچہ پیدا ہو اس کا نام اپنے مرحوم بھائی کے نام پر رکھ لے تاکہ اس کا نام "اسرائیل" میں سے مٹ نہ جائے اور اگر وہ بھاوج سے نکاح کرنے سے انکار کر دے تو بزرگوں کے سامنے بھاوج اس کے پاؤں سے جوتی اتارے اور اس کے منہ پر دے مارے۔ اس طرح اس کے لیے مشہور ہو جائے گا کہ یہ وہ ہے جس نے اپنے بھائی کا گھر آباد نہیں کیا تو اس کی جوتی اتاری گئی تھی۔"[۱]

۴۔ نفاذ سزا میں انصاف کا قیام:

یہودیت میں کسی جرم کی سزا یا قصاص کے لیے انصاف کے پہلوؤں کو نمایاں رکھا جاتا ہے۔ جیسے الاستثناء میں ہے کہ:(اس معاہدہ کے الفاظ یہ ہیں۔)

> "اگر کوئی اپنے بھائی کے خلاف جھوٹی گواہی دے تو جو حال وہ اپنے بھائی کا کرنا چاہتا ہے وہی تم بھی اس کے ساتھ کرنا۔ ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کر دینا۔ دوسرے لوگ یہ سن کر ڈر جائیں گے اور برائی نہیں کریں گے۔ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ہاتھ کے بدلے ہاتھ اور پاؤں کے بدلے پاؤں۔ اس کے نفاذ میں تجھے ذرا ترس نہ آئے۔"[۲]

۵۔ حق تلفی کی ممانعت:

---

[۱] ۔ **الاستثناء**، باب ۲۵ / ۱۹۰

[۲] ۔ الاستثناء، باب ۲۰، ص ۱۸۵

یہودیت میں معاہدے کی حق تلفی کی مذمت کی گئی ہے۔ الاستثنا میں ہے کہ:

"اگر ایک شخص نے دو عورتوں سے شادی کی ہے ایک محبوبہ ہے اور دوسری غیر محبوبہ اور غیر محبوبہ دونوں سے اولاد ہو تو وہ وراثت کا مال دیتے ہوئے محبوب اور غیر محبوبہ دونوں لڑکوں کو وراثت سے ایسا نہ کرے کہ غیر محبوبہ کے لڑکے پر محبوبہ کے لڑکے کو ترجیح دے۔"[1]

۶۔ ظلم کی ممانعت:

یہودی مذہب میں بھی معاشی، سماجی و دیگر معاملاتی اعتبار سے ظلم کی ممانعت ہے۔ جیسے الاستثناء میں ہے کہ:

"تو غریب اور محتاج لوگوں پر ظلم نہ کرنا خواہ وہ تیرے بھائیوں میں سے ہوں۔ ان پڑوسیوں میں سے جو تیرے ملک کے اندر تیری بستیوں میں رہتے ہیں اور مزدور کی مزدوری غروبِ آفتاب سے پہلے ادا کرو کیوں کہ اس کا دل مزدوری میں لگا رہتا ہے۔ اگر تو نے تاخیر کی تو وہ تیرے خلاف خداوند کی بارگاہ میں فریاد کرے گا تو جو تیرے حق میں گناہ ٹھہرے گا۔"

اسی طرح دوسری جگہ ہے کہ:

"بیٹوں کے بدلے باپ مارے نہ جائیں اور نہ باپ کے بدلے بیٹے، ہر ایک اپنے ہی گناہ کے سبب مارا جائے۔"[2]

۷۔ زنا کا سدِباب:

زنا ایسی مشترکہ سماجی برائی ہے جسے تمام مذاہب میں بُرا متصور کیا جاتا ہے اور ہر مذہب میں اس کی مذمت کی جاتی ہے جیسے الاستثناء میں ہے:

"اگر کسی مرد یا عورت نے بدکاری کی ہو دونوں غیر شادی شدہ ہوں تو دونوں کو شہر سے باہر لے جا کر دونوں کو مار دیا جائے۔"

۸۔ سماجی پہلو:

اگر عورت نے چند دن پہلے شادی کی تو مرد جنگ کے لیے نہ جائیں جیسے الاستثناء میں ہے:

---

[1] ۔ الاستثناء، باب ۲۰، ص ۱۲۹

[2] ۔ ایضاً، ص ۱۸۹

"اگر کسی نے کوئی نئی عورت بیاہی ہو تو وہ جنگ کے لیے جنگ نہ جائے وہ سال بھر اپنے ہی گھر میں رہ کر بیاہی ہوئی بیوی کو خوش رکھ"

عیسائیت

ادیان سماوی میں اس وقت آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا مذہب عیسائیت ہے۔ یہ مذہب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب ہے۔

اصطلاحی تعریف:

عیسائیت کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے "علامہ شہرستانی" یوں بیان کرتے ہیں:

"یہ مسیح عیسیٰ علیہ السلام کی امت ہے۔ آپ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے جن کی خوش خبری تورات میں دی گئی۔"[1]

انسائیکلوپیڈیا آف ایلیجنز اینڈ ایتھکس" میں عیسائیت کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"عیسائیت اخلاقی، تاریخی، عالمگیری، توحید پرست اور کفارے پر ایمان رکھنے والا مذہب ہے جس میں انسان اور اللہ کے درمیان رابطے کا وسیلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔"[2]

اخلاقی مذاہب سے مراد یہ ہے کہ اس کا مقصد روح کے کمال کو حاصل کرنا اور اللہ کی خوشنودی کا حصول ہے۔ عبادات اور قربانیوں کے ذریعے دنیاوی مقاصد کے حصول کی تعلیم نہیں دی گئی۔ تاریخی مذہب سے مراد یہ ہے کہ اس مذہب کی فکر اور اعمال میں "ذاتِ عیسیٰ علیہ السلام" مرکزی حیثیت رکھتی ہے جو کہ تاریخی شخصیت ہے۔ عالمگیر مذہب سے مراد یہ ہے کہ اس مذہب کی دعوت پوری دنیا کے لیے ہے۔ رنگ و نسل کا امتیاز ہیں۔ 'توحید پرست' ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اقانیم[3] کا عقیدہ رکھتے کے باوجود ایک خدا کو مانتے ہیں۔

کفارے پر ایمان رکھنے والا مذہب کا مطلب ہے یہ کہ ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قربانی انسان اور خدا کے درمیان انسانوں کی نافرمانی کا کفارہ ہے۔-

---

ا۔ الشہرستانی، محمد بن عبد الکریم، **الملل والنحل**، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۵ء، ص ۲۴۴

[2] ۔انسائیکلوپیڈیا ریلجن اینڈ ایتھکس، ۹/ ۲۵۶

[3] ۔ اقانیم: نصرانیوں کے نزدیک "التثلث" کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ ایک جوہر ہے جو تین اقانیم (اشخاص) پر مشتمل ہے۔ یعنی باپ، بیٹا، روح القدس (حوالہ: انسائیکلوپیڈیا ریلجن اینڈ ایتھکس، ۹/ ۲۵۶)

"وَتثليث فی صَعرانيه، وَ يعنونَ الاَب، الوجود، وبالروح: الحياة وَ لابن المسيح"[1]

ترجمہ: باپ سے مراد "وجود" بیٹے سے مراد "مسیح" اور روح سے مراد زندگی

مذکورہ بالا لغوی اور اصطلاحی مباحث کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ "مذہب عیسائیت" حضرت عیسی علیہ السلام سے منسوب ہے۔ اس مذہب میں مرکزی حیثیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہی حاصل ہے اور اس عقیدہ کی ترجمانی بڑے عجیب انداز میں کرتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قربانی کو عند اللہ اپنے گناہوں کا کفارہ متصور کرتا ہے۔

عیسائیت میں معاہدات کی اہمیت:

آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا مذہب ہے۔ اس میں تورات و انجیل کی تعلیمات کو بنیاد حاصل ہے جس میں انجیل کو بطور خاص مقدس مانا جاتا ہے۔ معاہدات کی اہمیت و دیگر مذاہب کی طرح عیسائی مذہب میں بھی مسلم ہے۔ گویا معاہدہ اور ایفائے عہد کا اصول ہر شریعت کا منبع متصور کیا جاتا ہے۔

عہد نامہ جدید میں ہے کہ:

"جس کسی آدمی کا عہد نامہ ہوا، اس کی تصدیق ہو گئی تو کوئی اس کو باطل نہیں کر سکتا نہ اس پر کچھ بڑھا سکتا ہے۔"[2]

عیسائیت میں چند معاہدات

الہامی صحائف اور کتب احکام و فرامین کے مجموعوں سے عبارت ہوتی ہیں۔ ان کے یہ احکام انسانوں اور خدا کے درمیان میثاق کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان حواشی اور تحریروں میں سے چند ایک کا تذکرہ یہاں ضروری ہے۔

ا۔ لڑائی جھگڑا کی مذمت:

عہد نامہ قدیم میں ہے:

"تم آپس میں لڑائی ار جھگڑا مت کرو۔ ایک دوسرے کو گالیاں مت دو اور بد گوئی مت کرو کیوں کہ یہ پرانی انسانیت کی باتیں ہیں جسے تم نے کاموں سمیت دفن کر دیا ہے اور نئی انسانیت کو پہن لیا ہے۔"[3]

4۔ لسان العرب:۲ / ۱۲۲

ا ۔ جدید عہد نامہ، کتاب گلیتوں، باب ۲، ص ۱۸۰

۲ ۔ گلیتوں، ص ۱۹۵

۲۔ سماجی معاہدہ:

ان معاہدوں سے مراد وہ احکام ہیں جو انسانوں کے باہمی تعلقات کہ دستور میں مدد و معاون ثابت ہوں۔ ان کے تعلقات کو منضبط کرنے میں مدد دے۔ چنانچہ گلیتوں میں مذکورہ ہے:

"تم صبر و تحمل کرو، آپس کے معاملات میں والدین کی عزت کرو، ہر وقت آپس میں خوش رہو اور نرم مزاجی سے آپس میں معاملات کرو"[1]

۳۔ برائی سے بچنے پر معاہدہ:

پیغمبروں اور انبیاء کو بھیجنے کا ایک مقصد انسانوں کو برائی سے بچنے کا وسیلہ ہوتے ہیں، تاکہ ان کے مابین تعلقات میں بہتری ہو اور سماجی امن و سلامتی میسر ہو چنانچہ عہد نامہ جدید میں لکھا ہے:

"آپس میں حرام کاری سے بچو اور اپنے بھائی کو دھوکہ نہ دو، برائی کا بدلہ برائی سے نہ دو، ہر قسم کی بدی سے بچو"[۲]

۴۔ شکر گزاری کی تعلیم:

عیسایت میں آپس کے معاملات کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کی تعلیم بھی گئی ہے جیسا کہ گلیتوں میں ذکر ہے:

"تم شکر گزار رہو مسیح کے کلام کو اپنے دلوں میں کثرت سے بسنے دو اور اپنے دلوں میں خدا کے فضل کے ساتھ اس کے لیے مزامیر اور گیت گاؤ اور آپس میں جو معاملات کرتے ہو وہ یسوع مسیح کے نام سے کرو اور اس کے وسیلے خدا باپ کا شکر بجالاؤ۔"[۳]

۵۔ اچھے کاموں میں تعاون کی تلقین:

"عیسائیت" میں اچھے کاموں میں مدد کی تعلیم دیتا ہے۔ چنانچہ "عہد نامہ جدید" میں ہے کہ:

"نیک کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور کام کرنے میں ہمت نہ ہارو جو یہ کام نہیں کرتا اسے دشمن نہ جانو بلکہ بھائی سمجھ کر نصیحت کرو"[1]

---

[۲] ۔ گلیتوں، ص۱۹۹

[۳] ۔ ایضاً، ص۱۹۹

۶۔ نگہبانی کی تعلیم:

ذمہ داری کی بابت "جدید عہد نامہ" میں لکھا ہے کہ:

"ذمہ دار شخص جو نگہبانی (دیکھ بھال) کا عہد چاہتا ہے اسے نیک، متقی، ایک بیوی کا شوہر اور تعلیم دینے والا، ان خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے۔"[۲]

۷۔ سماجی عادات پر معاہدہ:

عہد نامہ جدید میں ہے ان سماجی عادات پر معاہدہ ہوا ہے کہ:

"اپنے بچوں اور گھر والی کی کمال سنجیدگی سے تربیت کریں، خادموں کے لے نرم رویہ رکھے، کھانے کے نعمتوں کو شکر گزاری سے کھائیں"[۳]

"مزدوروں کو انکی مزدوری کا حق ادا کریں اور عورتوں کی عزت کریں۔"[۴]

مندرجہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ معاہدات ہر مذہب میں بہت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں اور معاہدے کئی جہات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جیسے سماجی، معاشی، سیاسی، مذہبی وغیرہ۔ "مذہب عیسائیت" اور انہی مشترکہ اقدار کے حامل ادیان انہی نکات پر عمل پیرا ہو کر معاشرتی مسائل کے حل کے ذریعے خوشحال معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں۔

انسانوں کے مابین معاہدات کے اصول وضوابط عیسائیت کے تناظر میں

دیگر مذاہب کی طرح عیسائیوں میں بھی انسان کے مابین معاملات و معاہدات کی اہمیت مسلم ہے یہی وجہ ہے کہ راست گوئی، سماجی بھلائی اور خیرات کے بارے میں مذہب عیسائیت میں بھی تعلیم دی گئی ہے کیوں کہ معاشرہ انسانوں سے بنتا ہے اور ہر انسان کو دوسرے انسان کی ضرورت پڑتی ہے۔ جیسا کہ لفظ "معاشرہ" اس کا عکاس ہے۔

۱۔ راست بازی:

---

[۱] ۔ عہد نامہ جدید،۔۔۔ گلیتوں، ص ۲۰۱

[۲] ۔ ایضاً، ص ۲۰۳

[۳] ۔ ایضاً، ص ۲۰۳

[۴] ۔ عہد نامہ جدید،۔۔۔ گلیتوں، ص ۲۰۵

گویا عیسائیت میں راست بازی کی اہمیت ہے۔ چنانچہ "عہد نامہ جدید" میں کہا گیا ہے کہ:

"اگر کوئی ابراہیم کے خدا پر ایمان لاتا ہے تو اسے راست بازوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ پس جو ایمان والے ہیں وہ ابراہام کے ساتھ برکت پاتے ہیں"[1]

عیسائیت میں تفرقہ سے منع کیا گیا ہے۔ جیسے "عہد نامہ جدید" میں ہے:

"تفرقہ بازی نہ کرو اور ایک دوسرے سے محبت کرو، ایک دوسرے کے احوال پر نظر رکھو۔"[2]

عیسائیت میں راست بازی کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور راست بازی کے کاموں کو دکھلاوے کی غرض سے کرنے سے منع کیا گیا ہے تاکہ راست بازوں کا اجر ضائع نہ ہو۔ اگر دکھلاوے کے لیے بھلائی کے کام کیے جائیں تو اللہ کے ہاں کچھ اجر نہیں ہے۔ جیسے متی میں ہے کہ

"خبردار! اپنے راست بازی کے کام سامنے والے کو دکھانے کے لیے نہ کرو۔ ورنہ تمھارے باپ (خدا) کے پاس کچھ اجر نہیں ہے۔"[3]

۲۔ تفرقہ کی ممانعت:

مذہب عیسائیت کی تعلیمات انسانوں کے مابین امن و سکون اور معاشرتی اقدار و عادات کے فروغ کے لیے تفرقہ بازی سے منع کرتا ہے کیوں کہ جس معاشرے میں تفرقہ بازی، نفاق اور عدم برداشت کا راج ہو وہ معاشرہ بے چینی اور بے سکونی کی علامت بن جاتا ہے۔

جیسا کہ عہد نامہ جدید میں ہے:

"تفرقہ نہ کرو، ایک دوسرے سے محبت کرو، ایک دوسرے کے احوال پر نظر رکھو۔[4]

۳۔ مالی امداد کی ترغیب:

عیسائیت میں معاشرے کی ترقی اور خوش حالی کا خاص خیال رکھا گیا ہے اور باقاعدہ طور پر ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

جیسا کہ

---

[1] ۔ ایضاً، جدید عہد نامہ، ص ۱۸۰

[2] ۔ کتاب گلیتیوں، ص ۱۹۰

[3] ۔ **عہد نامہ جدید، کتاب متی، باب ۶، بائبل سوسائٹی پاکستان، لاہور، ص ۱۰۹**

[4] ۔ عہد نامہ جدید، کتاب متی، باب ۶، بائبل سوسائٹی پاکستان، لاہور، ص ۱۸۰

"اپنے (بھائی کی امداد) کی غرض سے خیرات کرو، تو دکھلاوے سے خود کو بچا بلکہ یوں خیرات دے کہ اپنے دائیں ہاتھ سے دے تو بائیں کو خبر نہ ہو اور اپنے مقروضوں کے قرض کو معاف کر دو تا کہ خدا تمھارے بھی قرض (گناہ) معاف کر دے اور تم سے برائی کو دور کر دے۔"[1]

۴۔ عفو و در گزر کی تعلیم:

عیسائیت میں بھی انسانی ہمدردی کی اہمیت مسلم ہے یہی وجہ ہے کہ عیسائیت میں انسانوں کے مابین عفو و در گزر کی تعلیم یوں دی ہے کہ

"تم انسان آپس میں ایک دوسرے کی غلطیاں (قصور) معاف کر دیا کرو تا کہ تمھارے قصور آسمانی باپ (اللہ) معاف کرے گا اگر تم آدمیوں کے قصور معاف نہیں کرو گے تو وہ بھی تمھارے گناہ معاف نہیں کرے گا۔"[2]

---

[1] عہد نامہ جدید، کتاب متیٰ، باب ۶، بائبل سوسائٹی پاکستان، لاہور، ص ۵۶

[2] ۔ایضا

اسلام

الہامی مذاہب میں تیسرا اور تعداد کے لحاظ سے دنیا کا دوسرا بڑا مذہب "دینِ اسلام ہے۔" دینِ اسلام کی تعلیمات قیامت تک کے لیے چراغ ہدایت ہیں۔ اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ کسی شخص یا قوم کی طرف منسوب نہیں ہے بلکہ ایک خاص صفت کا اظہار کرتا ہے جس کی جھلک لفظ "اسلام" میں نمایاں ہے۔

اسلام کا لغوی مطلب:

"اسلام" کا مادہ (س،ل،م) ہے باب افعال لسان العرب میں "اسلام" کا لغوی معنٰی یوں بیان کیا گیا ہے۔

"مَعنیٰ الخلوص وَ التقوی مِنَ الافات الظاہرہ والباطنہ"[1]

ترجمہ: ظاہری و باطنی آلائشوں سے اور خامیوں سے پاک خالص اور محفوظ معنٰی یہ ہیں۔

"۱۔الصلح وَالامان صلح و امان

۲۔ معنٰی الطاعۃ وَالاذعان۔ اطاعت و فرمانبرداری

۳۔الانقاد۔ سر تسلیم خم کرنا،(کسی بات کو بلا حیل وحجت تسلیم کرنا)

سوشل سائنسز انسائیکلوپیڈیا میں اسلام کی تعریف یوں کی گی ہے۔"

“Total Surrender (to God), the act of submitting (to will of God)”[2]

ترجمہ: اللہ کی مرضی (حکم) کے سامنے سر تسلیم خم کرنا۔

سیّد امیر علی "سلام" کے لغوی معنٰی یوں بیان کرتے ہیں۔

"اسلام کے لغوی معنٰی سکون، قرار، فرض کی تکمیل کرنا، کامل امن و آشتی کے ہیں۔ گویا اس ذات کے سامنے جھکنا ہے جو انسانوں کا خالق ہے۔"[3]

"امن و آشتی" کے لیے سِلم یا سَلم دونوں الفاظ مستعمل ہیں۔ اسلام کا ایک یہ مفہوم بھی مراد ہے۔

اصطلاحی معنٰی:

امام رازی "اسلام" کی اصطلاحی تعریف یوں بیان کرتے ہیں۔

---

[1] ۔ابن منظور، محمد بن مکرم الافریقی، دار صاد، بیروت، **لسان العرب**، ص ۱۲/ ۲۸۹

[2] . **انسائیکلوپیڈیا آف اسلام**، ص ۴ / ۱۷۱/ Encyclopedia of Isla, Vol-iv, P:171

[3] ۔ سیّد امیر علی، **روح اسلام**، مترجم، ہادی حسین ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور، ص ۲۳۷

"اسلام ھو الایمان"[1]

ترجمہ: اسلام ایمان کا نام ہے۔

سیّد جرجانی لکھتے ہیں۔

"اسلام:"الخضوع والانقیاد لِما اَخبَرا به الرسول"[2]

ترجمہ: ان سب باتوں کو ماننا اور ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنا جن (امور) کو خبر رسول اللہ ﷺ نے دی۔

ابنِ منظور لفظ "اسلام" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اظھار الخضوع وَ اظھار الشریعه وَالا لتزَامِ لِمَا اَتی بھا النبی ﷺ بِذالِک یحِتفظ الدَّم وَ یترَفعُ المِکرُوه"[3]

ترجمہ: اسلام، اظہارِ اطاعت، اظہارِ شریعت اور نبی ﷺ کی سنت سے تمسک ہے۔ اس لیے مسلمان کے خون کی حفاظت کرتا ہے اور اس سے تکلیف دور کرتا ہے۔

اسی معنیٰ کے اعتبار سے ہر دور میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ جو لوگ بھی ایمان لائے اور اللہ کے احکام کی اطاعت کی وہ مسلمان یا مسلم کہلاتے ہیں۔

اسی بابت قرآن میں ہے:

﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾[4]

ترجمہ: اے ہمارے رب اور ہمیں تیرے حضور گردن جھکانے واالا اور ہماری اولاد میں ایک امت تیری فرمانبردار ہو

حضرت ابراہیم نے اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو امت مسلمہ فرمایا:

پیر کرم شاہ الازہری "اسلام" کا مفہوم خوب واضح انداز میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"ہر زمانے کے نبی اللہ کی طرف سے جو لے کر آیا اس کو ماننا اور اس کی اطاعت کرنا اسے اسلام کہتے ہیں لیکن جب سلسلہ نبوت ختم ہو گیا تو اب پیغمبر اسلام اور قرآن کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا

---

[1] ۔ محمد بن علی، جرجانی سید شریف، **المنشاء الجمالیہ**، مصر، طبع اولی، ۱۳۰۶ھ، ص ۱۰

[2] ۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱۲ / ۲۹۶

[3] ۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱۲ / ۲۹۶

[4] ۔ البقرہ: ۱۲۸

ہی اسلام کہلائے گا۔ اگر کوئی اتباع محمدی ﷺ سے روگردانی کرکے کوئی اور راستہ اختیار کرے گا تو وہ گمراہ اور بددین ہو گا"[1]

لفظ "اسلام" کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات کے تناظر میں یہ ثابت ہوا کہ "اسلام" خیر خواہی، بھلائی، امن و سلامتی، امن و صلح، امن و آشتی کا استعارہ ہے۔ گویا انسان اللہ کی بندگی کے طریقے خود رائج نہ کرے بلکہ جو طریقے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات سے ہم تک پہنچے ہیں اسی پر عمل پیرا ہو کر زندگی بسر کریں۔ خدا اور رسول ﷺ کے احکام کی پیروی کرنا گویا اسی طرزِ عمل کا نام "اسلام" ہے۔

اسلام کے آئینہ میں معاہدات کا تصور:

اسلام ابدی اور مال دین ہے۔ یہ نا صرف انسان اور اللہ کے مابین تعلق کو استوار کرتا ہے بلکہ اسلام زندگی کے ہر شعبے میں چراغ ہدایت ہے۔ اسلام کی تعلیمات جہاں دیگر شعبہ ہائے زندگی میں ہماری رہنمائی کرتا ہے اسی طرح ہمیں معاہدوں کی پاسداری کا بھی حکم دیتا ہے۔ معاہدات کی نوعیت یا اللہ کے معاہدہ کی ہو یا بندوں کے مابین معاہدہ کی ہو گویا اسلام عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاقیات میں ابدی تعلیمات فراہم کرتا ہے۔

جیسے قرآن میں آیا ہے:

﴿اوفو بالعقود﴾[2]

ترجمہ: اپنے عہد و پیمان کو پورا کرو۔

گویا اسلام ہر طرح کے معاہدہ کی تکمیل کا حکم ہوتا، خواہ وہ سیاسی معاہدہ ہو یا سماجی، معاشی ہو۔

معاہدات کا تجزیاتی مطالعہ:

انسانی معاشرے میں ہر انسان دوسرے انسان کے ساتھ کسی حوالے سے معاہدہ کرتا ہے۔ گھر سے لے کر قومی اور بین الاقوامی سطح تک معاہدات کیے جاتے ہیں۔ یہ معاہدات اس لیے کیے جاتے ہیں کہ انسانوں کے مابین اختلافات کو کم یا ختم کیا جا سکے۔ ان معاہدات کی ترویج اور تنفیذ انسانی معاشرے کے امن و سکون کی عکاسی ہے۔ گویا انسانی سماج معاہدات کا مجموعہ ہے۔ اس لیے انسانوں کے مابین معاہدات قائم کرنا اور معاہدات کے اصول و ضوابط پر عمل کرنا انسانی معاشرے کی معاشی، سماجی، معاشرتی، سیاسی ترقی کا باعث ہوتے ہیں۔ اسلام میں انسانوں کے مابین قائم ہونے والے چند معاہدات کا ذکر کریں گے۔

---

[1] ۔ ابراہیم:۱۲۸

[2] ۔ المائدہ:۱

سماجی معاہدات:

"معاہدات زندگی کے ہر شعبے کو محیط ہیں۔خواہ وہ سماجی معاہدہ ہو یا معاشی، ہر معاہدے کے اثرات معاشرے پر اثر پذیر ہوتے ہیں۔ سماجی معاہدہ میں ایک اہم معاہدہ "نکاح" ہے ۔ ایسا معاہدہ ہے جو ایک عورت اور مرد کے درمیان انعقاد پذیر ہوتا ہے۔ اسلام نکاح کے تعلق کو بھی معاہدہ قرار دیتا ہے۔ جب شریعت "نکاح" کو اس لیے معاہدہ قرار دیتی ہے کیوں کہ یہ معاہدہ نسل انسانی کے بڑھنے کا موجب ہے۔اس کے ذریعے معاشرے کا پاکیزہ تمدن وجود میں آتا ہے[1]

معاشی معاہدات:

اسلام معاشی معاہدات کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے اور اس کا مقصد انسان کو مکروہ اور فاسد طریقوں سے بچانا ہے جو انسان کی کمائی کو حرام کرنے کا سبب بنتے ہیں اور ایسے پسندیدہ طریقوں کی طرف راہنمائی کرتا ہے جو حلال اور پسندیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ نفع بخش ذرائع بھی ہیں۔ جیسے مضاربت، شراکت، مزارعت، حسابات، اجارہ وغیرہ

۱۔ مضاربت:

"ایسا معاہدہ جس میں ایسا معاہدہ جس میں دو فریق اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ ایک فریق دوسرے کو اپنے مال پر اختیار دیتا ہے۔ایک شخص اپنا سرمایہ لگائے گا جب کہ دوسرا شخص تجارت کرے گا۔اس کو مضاربت کہتے یعنی مال ایک فریق کا اور محنت دوسرے فریق کی ہو اور نفع میں فریقین برابر ہوں۔"[2]

اسلام میں ایسی مالی سرگرمیاں جو انسانی ضروریات کی تکمیل میں عمدہ مصارف اور حرام سے بچنے کا ذریعہ بھی ہو، اس کی حوصلہ افزائی کرنا ہے۔ مضاربت الٰہی میں سے ایک مثبت مالی سرگرمی ہے۔

۲۔ شراکت:

اہلِ عرب کا ذریعہ معاش تجارت پر منحصر تھا۔ اس لیے جب پیغمبرِ اسلام ﷺ نے دہلیز شباب پر قدم رکھا تو اسی پیشہ کو اختیار فرمایا اور اہلِ عرب تجارتی سرگرمیوں میں سے ایک ذریعہ شراکت کا ذریعہ تھا جس سے مراد

---

[1] ۔ ندوی، مجیب اللہ، مولانا، **اسلامی فقہ**، زاہد بشیر، پرنٹرز، ۱۹۹۱ء، ص ۱۲

[2] ۔ ایضاً

"دو فریقین کا کاروبار میں اپنے مالوں کو اس طرح ملا کر لگانا کہ وہ ایک ہی مال بن جائے اور نفع و نقصان میں دونوں فریق متعین نسبتوں کے ساتھ شریک ہوں۔"[1]

۳۔مزارعت:

انسانی زندگی کا بہت بڑا انحصار زراعت پر ہے۔ اس کی اس کی پذیرائی آیاتِ قرآنی کے علاوہ بہت ساری جاذبیت میں ملتا ہے۔

مزارعت ایسا معاہدہ ہے جو مالک زمین اور کاشتکار کے درمیان طے پاتا ہے اور طے شدہ معاہدہ کے مطابق فریقین نفع کا حصہ وصول کرتے ہیں۔ جیسے کہ معاہدہ خیبر کے مطابق پیغمبرِ اسلام ﷺ نے یہودیوں کو مدینہ سے بے دخل کیا تو انھوں نے عرض کی کہ ہمیں خیبر میں رہنے کی اجازت دی جائے تاکہ ہم اپنی کھیتی باڑی کر سکیں۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اسی "معاہدہ شراکت" کے تحت ان سے پر شرط رکھی کہ پیداوار کا نصف حصہ ہمیں دیا جائے گا۔ جیسا کہ "بخاری" میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت:

عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهماأن النبي ﷺ عامل أهل خيبر بِشَطْرِ ما يخرج منها من ثَمَرٍ أو زرع.[2]

ترجمہ: رسول اللہ نے خیبر کے پھل اور اناج کی آدھی پیداوار پر وہاں کے رہنے والے (یہودیوں) سے معاملہ کیا۔

۴۔مساقات:

زمینی پیداوار میں اضافہ اور بہتری کے لیے ایک اہم ذریعہ مساقات ہے جس سے مالک کے علاوہ دوسرا فرد بھی آمدنی سے خاطر خواہ حصہ پا کر روزی حاصل کرتا ہے۔ ابتدائے آفرینش سے زراعت و کاشتکاری انسان کی روزی کا مرکز رہا ہے۔ جیسے کے قرآن نے حضرت موسی علیہ السلام کے قصے کو بیان کیا ہے کہ

پہلی آیت

﴿وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ وَوَجَدَ مِن دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ يُصْدِرَ الرِّعَاءُ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ﴾[3]

---

[1] ۔ نجیب اللہ صدیق، شراکت ومضاربت کے شرعی اصول، پبلی کیشنز، لاہور، ص ۱۹

[2] ۔بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الشروط الزرع والاکل، بابٌ: فی المعاملہ الثلث والربع، ح: ۲۳۲۸۔

[3] ۔القصص: ۲۳

ترجمہ: اور جب موسیٰ علیہ السلام مدین کے کنویں پر پہنچے تو دیکھا کہ اس پر ایسے لوگوں کا ایک مجمع ہے جو اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور دیکھا کہ ان سے پہلے دو عورتیں ہیں جو اپنے جانوروں کو روکے کھڑی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تم کیا چاہتی ہو؟ ان دونوں نے کہا ہم اپنے جانوروں کو اس وقت تک پانی نہیں پلا سکتیں جب تک سارے چرواہے پانی پلا کر نکل نہیں جاتے اور ہمارے والد بہت بوڑھے آدمی ہیں۔

دوسری آیت

﴿ فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ﴾ [1]

ترجمہ: پس آپ (موسیٰ علیہ السلام) نے خود ان جانوروں کو پانی پلا دیا اور پھر سائے کی طرف ہٹ گئے اور کہنے لگے تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے میں اس کا محتاج ہوں۔

گویا حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر کا دارو مدار مویشی پالنے اور زراعت پر تھا۔

"ایسا معاہدہ ہے جس میں فریقین میں سے ایک فریق دوسرے فریق کو کوئی درخت یا زمین دے کہ وہ اس زمین یا درخت میں محنت کر کے (کھیتی باڑی اور پانی) لگا کر پیداوار حاصل کر لے پھر پیداوار کے دو حصے کر دیے جائیں، اسے مساقات کہتے ہیں۔ کیوں کہ پرانے وقتوں میں زمین میں پانی دینا سب سے مشکل کام متصور ہوتا تھا۔ اسی لیے اس کام کا نام مساقات رکھا گیا۔" [2]

معاہدات کے اصول وضوابط:

وحدتِ انسانی کے حصول کے لیے معاہدات انسانی معاشرے میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ معاہدوں سے انسانی زندگی کے سماجی، معاشی، سیاسی اور مذہبی مسائل حل ہوتے ہیں۔ انھیں معاہدوں کی بدولت انسانی معاشرت میں امن وعدل، خوش حالی اور ترقی کی راہیں ہموار ہوتی ہیں جس طرح ہر فرد کا طرزِ زندگی اس کی تہذیب پر اثرانداز ہوتا ہے اسی طرح انسانوں کے مابین جو معاہدے قائم کیے جاتے ہیں ان کا اثر ان کی تہذیب میں بھی نمایاں ہوتا ہے۔ اس لیے اسلام نے معاہدے کے چند اصول وضوابط قائم کیے ہیں جن کی روشنی میں معاہدے کا انعقاد عمل میں لایا جاسکتا ہے۔

جیسے قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

---

[1] ۔ القصص: ۲۴

[2] ۔ الجزیری، عبد الرحمٰن، **کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعۃ**، مترجم منظور احسن عباسی، علما اکیڈمی شعبہ مطبوعات، ۲۰۰۶، محکمہ اوقاف لاہور، ص ۲ / ۶۳۹

﴿وَ اِن جَنَحُوا لِلسَّلمِ فَاجنَح لھا وَ تَوَكَّل عَلَى الله ؕانه هو السَّمِيعُ العَلِيمُ ﴾[1]

ترجمہ: اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو بھی صلح کی طرف جھک جا اور اللہ پر بھروسہ رکھ یقیناً وہ بہت سننے جاننے والا ہے۔

سیّد ابو الاعلیٰ مودودی اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"بین الاقوامی معاملات میں تمھاری (مسلمانوں) پالیسی بزدلانہ نہیں ہونی چاہیے۔ دشمن جب مصالحت کی غرض سے گفتگو کے لیے تیار ہو جائے تو بے توقف اس (مصالحت) کے لیے تیار ہو جاؤ اور صلح کا ہاتھ بڑھانے سے انکار مت کرو۔ اگرچہ یہ نیک نیتی کے ساتھ صلح نہیں کرنا چاہتا بلکہ غداری کا ارادہ رکھتا ہے۔ کسی کی نیت بہر حال یقین طور پر معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس لیے خواہ مخواہ اس کی نیت پر شک کر کے خون ریزی کو طول نہ دو اور مصالحت کے لیے بڑھنے والے ہاتھ کے جواب میں ہاتھ بڑھاؤ تاکہ تمھاری اخلاقی برتری ثابت ہو اور جنگ کرنے کے لیے جنگ والے ہاتھ کو اپنی قوتِ بازو سے توڑ دو تاکہ کبھی کوئی غدار قوم تمھیں کمزور تصور نہ کرے۔"[2]

اسلامی معاہدوں کے بنیادی اصول وضوابط درج ذیل ہیں۔

۱۔ معاہدہ احکام شریعہ کے مخالف نہ ہو۔

۲۔ عدل وانصاف

۳۔ دیانت وامانت

۴۔ رواداری

۵۔ جانبین سے تعاون

۶۔ مدت ومعاملات کی توضیح

۷۔ ایفائے عہد

۸۔ مصلحت

---

[1] ۔ الانفال: ۶۱

[2] ۔ المودودی، ابوالاعلیٰ، سیّد، **تفہیم القرآن**، جلد ۲ / ۲۱۲

پہلا اصول: احکام شریعہ کا مخالف نہ ہونا

"سیاسیات معاہدہ میں سب سے پہلا اصول "جائز امور" میں معاہدہ کا انعقاد کرنا ہے۔ جائز امور سے مراد وہ احکام ہیں جو ہماری شریعت کے موافق ہوں گویا انہی امور میں معاہدہ جائز ہے جو حرام اور ناجائز نہ ہوں۔ جیسے سودی لین دین کی ممانعت وغیرہ"[1]

عہدِ نبوی میں پیغمبرِ اسلام نے اپنے معاہدوں میں سود خوروں کو اپنی ذمہ داری سے محروم کرنے کا ذکر فرمایا جیسے اہلِ نجران سے معاہدہ کیا تو معاہدہ جن شرائط پر مشتمل تھا ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ:

رجل من أهل نجران يأخذ الربا من أهله أو أهله هو خارج عن حمايتنا[2]

ترجمہ: اہلِ نجران میں سے جو شخص اپنے خاندان یا لوگوں سے سود لے گا وہ ہماری امان سے خارج ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے وائل بن حضرمی کو فرمان لکھا تو اس میں یہ ایک بات بھی لکھی کہ۔

"اگر ایک شخص نے دوسرے شخص سے ادھار چیز خریدی اور وہ اسے واپس کرنا چاہتا ہے تو اصل قیمت سے لوٹانا ضروری ہے کیوں کہ ادھار چیز کی قیمت وصول ہونے سے پہلے اصل قیمت سے کم پر خریدنا سود ہے۔"[3]

دوسرا اصول: عدل وانصاف

معاہدے کا دوسرا عمدہ "عدل وانصاف" کا قیام ہے کیوں کہ دینِ اسلام مسلم اور غیر مسلم میں سے ہر ایک معاہد سے عدل وانصاف کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ جیسے قرآن میں ہے۔

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾[4]

ترجمہ: اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو انصاف کیا کرو کہ یہ بات تقویٰ کے قریب ہے۔

---

[1] ۔ طبقات ابن سعد، ۲ / ۲۷۲

[2] ۔ المقریزی، احمد بن علی، تقی الدین، **السلوک لمعرفہ دول الملوک**، دار الکتب، بیروت، المکتبہ العلمیہ، ص ۱ / ۵۰۲

[3] ۔ سمعانی، عبد الکریم بن محمد بن منصور، (امام)، **الانساب**، بیروت، دار الجناں، ص ۲ / ۲۳۰

[4] ۔ المائدہ: ۸

گویا جب کوئی قوم یا ملک اسلامی ملک کے ساتھ حلیفی معاہدہ قائم کرے تو عدل و انصاف کے پیش نظر اسلامی ملک میں سکونت پذیر غیر مسلم برادری کو بھی مسلمانوں کے برابر اس حلیفی معاہدے کے مفادات حاصل ہوں گے جیسے کہ مدینہ میں یہودیوں سے معاہدہ میں یہ بھی درج تھا کہ:

"دشمن سے صلح کی صورت میں کسی قسم کا فائدہ حاصل ہوا تو مسلمانوں کے ساتھ دوسرے ایسے لوگ جو اس معاہدہ میں شریک ہیں اس سے مستفید ہوں گے۔"[1]

تیسرا اصول: دیانت و امانت

معاہدے کے اصول و ضوابط میں تیسرا اصول "دیانت و امانت" ہے۔ اس اصول کو اسلامی اخلاقیات میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ یہ اصول زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں ہے اور کامیاب اقوام اس اصول پر سختی سے عمل کرتی ہیں۔ اصولِ امانت دینی اور دنیاوی امور کو شامل ہے۔ خواہ اس کا تعلق زبان سے ہو یا عمل سے "امانت" کی خوبی تمام انبیاء میں مشترک ہے۔ جیسے قرآن میں فرمایا:

﴿إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ﴾[2]

ترجمہ: کہ میں تمھاری طرف امانت دار رسول ہوں۔

دوسرے مقام اسی اصول کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ﴾[3]

ترجمہ: اور اگر تم کو کسی قوم سے دغابازی کا خوف ہو تو (ان کا عہد) انہیں کی طرف پھینک دو (اور) برابر (کا جواب دو) کچھ شک نہیں کہ خدا دغابازوں کو دوست نہیں رکھتا۔

پیر کرم شاہ صاحب اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"آیت میں مذکور حکم کے پیشِ نظر اگر کسی ملک یا قوم سے معاہدہ کیا گیا ہو اور خطرہ لاحق ہو جائے کہ وہ عہد کی پابندی میں کوتاہی برتے گا اور تمھیں ایسے آثار دکھائی دینے لگیں جن سے یہ اندیشہ ہو کہ کہ وہ عہد شکنی پر آمادہ ہیں اور دشمن سے ساز باز کر رہے ہیں تو اچانک ان پر حملہ نہ کرو بلکہ پہلے

---

[1] ۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، **مجموعہ الوثائق السیاسیۃ**، دارالارشاد، بیروت، لبنان، ص ۳۸

[2] ۔ الشعراء: ۱۰۷

[3] ۔ الانفال: ۵۷

انھیں اطلاع دو کہ تمھاری شرارتوں اور تمھارے مشکوک رویے کی وجہ سے ہم اس معاہدہ سے دست بردار ہیں تاکہ معاہدہ کے کالعدم ہونے کا تمھیں اور انھیں مساوی علم ہو۔"[1]

کیوں کہ اسلام میں خیانت ایک قبیح امر ہے۔ اسی وجہ پیغمبر اسلام ﷺ نے شاہان (۱) یمن کو تحریری پیغام لکھا تھا کہ جس کے چند الفاظ یہ تھے کہ:

احتقار بعضنا البعض يعني عدم إذلال بعضنا البعض. رسول الله ﷺ صديق الغني والفقير.[2]

ترجمہ: ایک دوسرے کو حقیر سمجھنا یعنی ایک دوسرے کی تذلیل نہ کرنا۔ رسول اللہ ﷺ امیر و غریب سب کے دوست ہیں۔

چوتھا اصول: رواداری

اصول رواداری کو اسلام میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ جب معاہدین کے مابین کوئی معاہدہ طے ہو جائے تو اب اگرچہ وہ غیر مسلم ہوں، ان لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا اور بوقت ضرورت ان کی امداد کرنا رواداری کہلاتا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ یمن معاہدات نبوی ﷺ سے بھی رواداری کی تعلیم ملتی ہے کہ معاہدہ صلح کے بعد ذمیوں کی تکلیف نہ دی جائے۔ عیسائیوں اور راہبوں سے حسنِ سلوک سے پیش آیا جائے وغیرہ، جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾[3]

ترجمہ: بے شک اللہ (سب کے ساتھ) عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔

اسلام رواداری کا مذہب ہے۔ اس لیے اسلام میں اگر مسلم اور غیر مسلم آپس میں معاہدہ صلح کرتے ہیں تو وہ دونوں ایک فریق کی حیثیت سے معاشرے میں رہتے ہیں لیکن ان کے مذہب کے معاملے میں انھیں دینِ اسلام کے قبول کرنے پہ مجبور نہیں کیا جائے۔ یہ وجہ ہے کہ جب پیغمبرِ اسلام ﷺ نے مدینہ میں یہود سے معاہدہ فرمایا تو اس میں یہ بھی ذکر تھا کہ:

---

[1] ۔ الازھری، محمد کرم شاہ، جسٹس، **ضیاء القرآن**، ص ۲ / ۱۶۰

[2] ۔ الانصاری، یعقوب بن ابراہیم، ابو یوسف، **کتاب الخراج**، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ص ۳۷۰

[3] ۔ النحل: ۹۰

"تمام یہود مسلمانوں کے ساتھ ایک فریق کی حیثیت سے مل کر رہیں گے اور مسلمان اور یہودی دونوں اپنے اپنے مذہب کے پابند رہیں گے۔"[1]

گویا اسلام رواداری، امن و سلامتی اور احترام انسانیت کا مجموعہ ہے۔ یہ مکالمے اور دلیل کی بنیاد پر دین کی دعوت دیتا ہے۔ اسلام دیگر مذاہب اور ان کے پیشواؤں کے ادب و احترام کو بھی ملحوظِ خاطر رکھتا ہے۔

پانچواں اصول: دوطرفہ تعاون

معاہدات کا ایک اہم اصول "طرفین کا تعاون" ہے۔ عہدِ نبوی ﷺ میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ جیسے:

"بنو خزاعہ سے کیا گیا معاہدہ، معاہدہ میثاق اور دیگر قبائل سے کیے گئے معاہدات میں ایک اہم شق

وَ اِنَّ بینهم النصرُ عَلٰی مَن حَارَبَ اهل هذه الصحیفة وَ ان بینهمالنصح والنصیحة وَ البر دونَ الاثم[2]

ترجمہ: معاہدین میں سے ہر ایک پر لازم ہو گا کہ جب مدینہ پر حملہ ہو تو وہ دفاعی طور پر مدد کریں۔ اسی طرح مالی اعانت پر معاہدین پر لازم ہو گا کہ ایک دوسرے کے ساتھ بھلائی کے کاموں میں تعاون کریں۔"

لیکن مجرم کی امان کے بارے میں اہلِ عرب سے معاہدہ کیا کہ

"اگر کوئی سزا کے ڈر سے اسلامی ریاست کو چھوڑ کر معاہدین کے پاس پناہ حاصل کرتا ہے تو اس پناہ کا کوئی اعتبار نہیں۔ اسے مسلمانوں کے حوالے کیا جائے گا۔"[3]

چھٹا اصول:

معاہدین کے مابین معاہدہ کی مدت اور معاملات کا تعین ہو۔

مدت کا تعین:

معاہدہ کے عرصۂ مدت کا تعین لازمی ہونا چاہیے۔ جیسے معاہدہ صلح حدیبیہ "میں مدت کا تعین بھی فرمایا جیسے

---

[1] ۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، مجموعہ الوثائق السیاسیۃ، دارالارشاد، بیروت، لبنان، ص ۳۷

[2] ۔ محمد بن سعد، ابو عبداللہ بغدادی، **الطبقات الکبری**، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۰ھ، ص ۲ / ۳۷۵

[3] ۔ مالک بن ہشام، ابو محمد، **سیرت ابنِ ہشام**، ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور، ص ۱ / ۲۵۶

دس سال کے لیے یہ معاہدہ لکھا گیا ہے۔ اور وضاحت کی گئی تھی کہ

"ان دس سالوں میں مسلمان تین اغراض کے لیے مکہ آسکیں گے، عمرہ کے لیے، حج کی ادائیگی کے لیے اور تجارت کے لیے۔ ان صورتوں میں اہلِ مکہ پر ان کے جان و مال کا تحفظ لازم ہو گا۔"[1]

معاملات کا تعین:

معاہدہ کے تمام جہات واضح اور متعین ہوں۔ اس میں کسی قسم کی کمی نہ ہو جو بعد میں لڑائی کا سبب بنے جیسے صلح حدیبیہ میں اس معاملہ کی وضاحت کی گئی کہ:

"مسلمان اگلے سال عمرہ تو ادا کر سکتے ہیں لیکن ان کے پاس آلاتِ جنگ نہیں ہوں گے اور ان کی تلواریں بھی نیام میں ہوں گی۔"[2]

یہ وہ چیز ہے جو معاہدین میں معاہدہ کی بابت ہر چیز کی وضاحت کرتی ہے۔

معاہدین کے ساتھ فریق ثالث کی شمولیت:

اگر معاہدین میں کسی معاہدہ پر اتفاق ہو جاتا ہے تو وہ تیسرے فریق کو بھی اپنے ساتھ شامل کر سکتے ہیں۔ نیا فریق بھی معاہدے کی ان شرائط کا پابند ہو گا جن کا معاہدین میں سے ہر ایک پابند ہے۔ اور فریق ثالث کو اختیار ہو گا کہ وہ معاہدین میں سے جس کا حلیف بننا چاہے، بن سکتا ہے۔ اسی کی مثال معاہدہ حدیبیہ میں اسوۂ رسول ﷺ سے ثابت ہے۔

"پیغمبرِ اسلام نے قبیلہ بنو بکر اور قبیلہ خزاعہ کو یہ اختیار دیا کہ ان میں سے ہر ایک اپنی پسند کا حلفی معاہدہ قائم کر سکتا ہے۔ چنانچہ قبیلہ بنو کر اہلِ قریش کے اور بنو جزاعہ مسلمانوں کا حلیف بنا۔"[3]

ساتواں اصول: ایفائے عہد

۱۔ سیرت ابن ہشام، ۱/ ۲۵۶

۲۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، مجموعہ الوثائق السیاسیۃ، دارالارشاد، بیروت، لبنان، ص ۳۷

۳۔ ایضاً،

"ایفائے عہد" اسلام کا پسندیدہ اصول ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ معاہدین میں سے ہر ایک معاہدے کی شرائط وضوابط پر سختی سے عمل پیرا ہو اور ان امور کی پاسداری کرے جو ایفائے عہد کا سبب بنے۔ ایفائے عہد کا پاس نہ رکھنا بدعہدی ہے۔ جیسے حضور ﷺ کا فرمان ہے۔

(أَرْبَعُ خِلَالٍ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَنَّ مُنَافِقًا خَالِصًا مَنْ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ ، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا).[1]

ترجمہ: چار عادتیں ایسی ہیں کہ اگر یہ چاروں کسی ایک شخص میں جمع ہو جائیں تو وہ پکا منافق ہے۔ وہ شخص جو بات کرے تو جھوٹ بولے، اور جب وعدہ کرے، تو وعدہ خلافی کرے، اور جب معاہدہ کرے تو اسے پورا نہ کرے۔ اور جب کسی سے لڑے تو گالی گلوچ پر اتر آئے اور اگر کسی شخص کے اندر ان چاروں عادتوں میں سے ایک ہی عادت ہے، تو اس کے اندر نفاق کی ایک عادت ہے جب تک کہ وہ اسے چھوڑ نہ دے۔

آٹھواں اصول: مصلحت

مصلحت کے پیشِ نظر بھی اسلام معاہدہ کی اجازت دیتا ہے۔ جیسے

۱۔ مستقبل میں کامیابی کی حکمت عملی کی گئی ہو

۲۔ غیر مسلم کی قبول اسلام کی امید ہو

۳۔ اضطراری حالت میں صلح کرنا

۴۔ مال کے بدلے صلح وغیرہ

گویا دینِ اسلام، مسلم اور غیر مسلم میں سے ہر ایک سے معاہدے کرنے کے اصول وضوابط کے ذریعے ہماری رہنمائی کرتا ہے کیوں کہ دینِ اسلام صلح اور امن و امان کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ اس لیے اگر دشمنِ اسلام مصالحت یا جنگ بندی کا معاہدہ کرنا چاہتے تو اسلام اس پیش کش کو قبول کرنے کا حکم دیتا ہے۔

---

[1] ۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، کتاب الجزیۃ، باب بیان خداع المنافق، حدیث: ۳۱۷۸

فصل دوم

انسانی معاشرے میں معاہدات کی اہمیت وضرورت

معاہدے انسانی معاشرے میں بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ ایفائے عہد کا اصول درحقیقت اصول توحید کا ہی قدرتی تقاضا ہے۔ انسان کی جوابدہی کا تصور اور انسانی مساوات کا شعور انسانوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی حیثیت میں اپنے تمام شخصی، قومی، مذہبی، سیاسی، سماجی اور بین الاقوامی معاہدوں کی پاسداری اور تکمیل کریں۔

اسلام نہ صرف دوستوں اور رشتہ داروں سے معاہدات پورا کرنے کی تلقین کرتا ہے بلکہ دشمنوں سے بھی بدعہدی اور معاہدہ توڑنے سے منع کرتا ہے۔ "ایفائے عہد" کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی خوبیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے "ایفائے عہد" کو نمایاں خصوصیت کے طور پر بیان فرمایا:

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا﴾[1]

ترجمہ: اس کتاب میں اسماعیل (علیہ السلام) کا واقعہ بھی بیان کر، وہ بڑا ہی وعدے کا سچا تھا اور تھا بھی رسول اور نبی۔

معاہدات کو قرآن مجید میں معیارات نیکی کا ایک جزو قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا﴾[2]

ترجمہ: نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کو (قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر اور روز آخرت پر اور فرشتوں پر اور (خدا کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں۔ اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں۔اور جب عہد کرلیں تو اس کو پورا کریں۔

---

[1]۔ مریم:۵۴

[2]۔ البقرہ:۱۷۷

گویا قرآن پاک میں "بِر" کی جو تعریف کی گئی ہے۔ اس میں بنیادی عقائد و عبادات کے بعد اسی معاہدہ کی طرف اشارہ ہے جو سب سے پہلے آدم علیہ السلام اور اولادِ آدم علیہ السلام سے لیا گیا۔

"یہ معاہدہ ایک بنیادی معاہدہ ہے اس کی پابندی ہر انسان پر لازم ہے۔ جب اس معاہدہ کی پابندی ہو گی تو پھر دوسرے معاہدات کی بھی پابندی ہو گی۔ یہی تقاضائے شرافت ہے کہ جو معاہدہ بھی کیا جائے اس کی پاسداری کی جائے۔ اس پابندی قول و قرار کو اسلام میں یہ اہمیت دی گئی ہے کہ عزیز ترین مفاد کو معاہدہ پر قربان کیا جا سکتا ہے۔ لیکن معاہدہ کو کسی مفاد پر قربان نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام کے اندر اسی اصول کا باضابطہ قیام اسلام کے دیگر بنیادی اصولوں اور اقدار کے عین مطابق ہے۔"[1]

ایفائے عہد کی پابندی ہی کسی قوم کی کامیابی کی کنجی ہے۔ ایفائے عہد کرنے والوں کو اللہ نے متقی کہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِندَ اللَّهِ وَعِندَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ﴾[2]

ترجمہ: بھلا مشرکوں کے لیے (جنہوں نے عہد توڑ ڈالا) خدا اور اس کے رسول کے نزدیک عہد کیونکر (قائم) رہ سکتا ہے ہاں جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد محترم (یعنی خانہ کعبہ) کے نزدیک عہد کیا ہے اگر وہ (اپنے عہد پر) قائم رہیں تو تم بھی اپنے قول و قرار (پر) قائم رہو۔ بے شک خدا پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے۔

"مشرکوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے پاس کوئی عہد ہو؟ مگر وہ جن سے تم نے مسجد حرام کے نزدیک معاہدہ کیا جب تک وہ تم سے سیدھے رہے تم ان سے سیدھے رہو بے شک اللہ کو تقویٰ والے پسند ہیں۔"[3]

"سیدھے رہنے" کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ عہد پر قائم رہیں تم بھی ان عہد کو پورا کرتے رہو اور جو لوگ اپنے عہد کو اس احتیاط سے پورا کریں ان کا شمار تقویٰ والوں میں ہے۔

---

[1]۔ سیّد محمد میاں، مولانا، **دین کامل**، مکتبہ محمودیہ، ص:۷۷

[2]۔ التوبہ:۷

[3]۔ شبلی نعمانی، علامہ، **سیرت النبی**، نظامی پریس، لاہور، ۱۹۷۹ء ۲/ ۲۷۷

اس آیت نے سابقہ حکم کی وضاحت کر دی کہ:

"صرف ان قبائل کے معاہدوں کو منسوخ کیا جائے جنھوں نے خود نقض عہد میں پہل کی۔ لیکن جو اپنے معاہدوں کے پابند ہیں نہ کھلے طور پر اسلام کا مقابلہ کرتے ہیں اور نہ خفیہ طور پر مسلمانوں کے دشمنوں کی امداد کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ جو معاہدے کیے گئے ہیں ان کی پابندی لازم ہے۔"[1]

گویا ایفائے عہد تقویٰ کے لوازمات میں سے ہے اور متقین کا شعار ہے۔

ایفائے عہد نہ کرنے والوں کی مذمت:

وعدہ خلافی بہت بڑی برائی ہے۔ اقوام و ملک کی عزت اور ترقی کا راز اسی میں مضمر ہے کہ وہ اپنے وعدہ کو کس قدر پورا کرتے ہیں۔ جو اقوام عہد و پیمان کا لحاظ نہیں رکھتیں وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتیں۔ جب کوئی شخص وعدہ کر لیتا ہے تو وہ ایفائے عہد کا پابند ہو جاتا ہے کیوں کہ اس کی بابت سوال کیا جائے گا۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے۔

﴿اِنّ العهدَ کَانَ مَسؤلاً﴾[2]

ترجمہ:۔۔۔۔۔۔

بدعہدی کرنے سے دل میں نفاق پیدا ہوتا ہے۔ جیسے کہ منافقین کے بارے میں کہا گیا ہے کہ:

﴿فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ﴾[3]

ترجمہ: تو خدا نے اس کا انجام یہ کیا کہ اس روز تک کے لیے جس میں وہ خدا کے روبرو حاضر ہوں گے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا اس لیے کہ انہوں نے خدا سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

پس اس کا اثر ان کے دل میں خدا نے نفاق رکھا۔ اس دن تک جب وہ اس سے ملیں گے اس لیے کہ انھوں نے خدا سے وعدہ کر کے خلاف کیا اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

---

[1]۔ الازہری، محمد کرم شاہ، پیر، **ضیاء القرآن**، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ص:۲ / ۱۸۰

[2]۔ بنی اسرائیل:۳۴

[3]۔ التوبہ:۷۷

ایفائے عہد حدیث کی نظر میں

ایفائے عہد حضور ﷺ کی خصوصیت:

"حضرت محمد ﷺ وعہدے کو پورا کرنے کا اس قدر اہتمام فرماتے تھے کہ اعلانِ نبوت سے قبل ہی اہلِ مکہ آپ ﷺ کو صادق اور امین کا لقب دے چکے تھے۔ آپ ﷺ امانتوں کے س اتھ قول و فعل کے معاہدات کی بھی پابندی کرتے تھے۔ اعلانِ نبوت سے پہلے عبد اللہ بن ابی العمسا نے آنحضرت سے کچھ معاملہ کیا اور آپ ﷺ کو بٹھا کر چلے گئے کہ ابھی آتا ہوں۔ اتفاق سے انھیں یہ بات بھول گئی۔ عبد اللہ تین دن بعد آئے تو آپ ﷺ وہیں تشریف رکھتے تھے۔ ان کو دیکھ کر آپ ﷺ نے صرف یہ فرمایا کہ میں تین دن سے تمھارے انتظار میں بیٹھا ہوں۔ جس پر وہ شرمندہ ہوئے۔"[1]

غزوہ بدر کے موقع پر کافروں کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد ثلث سے بھی کم تھی۔ اس موقع پر بھی ایفائے عہد کی اعلیٰ مثال قائم کی جب کہ اس وقت شدت سے یہ خواہش ہونی چاہیے تھی کہ جس قدر آدمی بڑھ سکیں اتنا بہتر ہے۔

بدعہدی کی مذمت میں احادیث:

بدعہدی بدترین جرم ہے۔ اسلام میں ناقض عہد کو ناپسند کیا گیا۔

((عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا))
[2]

ترجمہ: جو کوئی معاہد کو قتل کرے گا اسے جنت کی بُو تک نصیب نہ ہو گی۔ حالانکہ اس کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے بھی محسوس ہوتی ہے۔

---

[1]۔ سجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی العہدہ، المکتبہ العصریہ، بیروت، ح۴۹۹۶ (یہ حدیث **ضعیف** ہے)، تخریج الراوي: عبد اللہ بن عمرو، أخرجہ مطولاً ابن ماجہ (۲۶۱۶ واللفظ لہ، وأحمد (۶۵۹۲)

[2]۔ ابنِ ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید، **سنن ابن ماجہ**، (دار الرسالۃ العلمیہۃ، الطبعۃ الاولی ۱۴۳۰ ھ، جلد: ۴) کتاب الدیات، باب من قتل معاہداً، ح ۲۶۸۷ (یہ حدیث **صحیح ہے**) الراوي: عبد اللہ بن عمرو، المحدث: الألباني. التخریج: أخرجہ البخاري (۳۱۶۶) باختلاف یسیر، والنسائي (۴۷۵۰)، وأحمد (۶۷۴۵) بنحوہ، وابن ماجہ (۲۶۸۶) واللفظ لہ.

((عن عبداللہ ابن عمرو قال قال رسول اللہ اَربع خِصَالٍ مِن کن فِیہِ کَانَ مُنافِقاً خالصاً، مِن اِذ احدَثَ کَذب وَ اِذا وَعَدَ خَلَفَ وَاِذا عَاھَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجرَ))[1]

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار خصلتیں ایسی ہیں کہ جس

میں پائی جائیں وہ خالص منافق ہو گا۔ ایک یہ کہ جب بولے جھوٹ بولے، دوسرا جب وعدہ کرے تو وعدہ

خلافی کرے، تیسرا جب معاہدہ کرے اس کو توڑ دے، چوتھا جب جھگڑے

بحث کا حاصل

قرآن و حدیث کی تعلیمات کے تناظر میں معاہدات کی اہمیت عصرِ حاضر میں بھی مسلم ہے۔ اگر عصرِ حاضر کے معاہدات پر غور کیا جائے تو طاقتور اقوام جو معاہدہ بھی کمزور اقوام سے کرتی ہیں۔ اس کا لحاظ نہیں رکھتیں یہی وجہ ہے کہ آج پوری دنیا میں ظلم و ستم اور بے جا مداخلت کا راج ہے۔ طاقتور قومیں پنے معاہدوں کو جبراً کمزور قوموں پر تھوپتی ہیں۔ جس جنگ یا بدامنی میں وہ برابر کے شریک ہونے چاہییں اس کے برعکس سارا بوجھ کمزور قوموں پر ڈال دیا جاتا ہے۔

"جان کے نام میں روس اور امریکہ نے کوریا میں لاکھوں انسانوں کا خون بہایا۔ امریکہ نے افغانستان میں لاکھوں بے گناہوں کو بمباری کا نشانہ بنایا تو اس پر کوئی جنگی تاوان نہیں لگ سکا۔ اس لیے کہ یہ فاتح تھے اور وہ مفتوح"[2]

حضورِ اکرم ﷺ نے ہمیشہ امن و امان کو جنگ و جدال پر ترجیح دی۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ امن و امان کی فضا۔ قیامت تک کے لیے نمونہ تقلید ہے۔

جب کہ اس کے برعکس گزشتہ ملکی یا عالمی معاہدات میں ہر جگہ سیاست، بدنیتی، لالچ اور فریب کاری نمایاں فلسطین کا مسئلہ ہو یا کشمیر اور بوسنیا و چیچنیا کا مسئلہ یا مشرق وسطیٰ کی حالی شورش میں عالمی طاقتوں کے وعدے اور معاہدے ہوں۔ ہر جگہ عدم اطمینان، وعدہ شکنی اور جانب داری کا عنصر غالب ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آج دنیا بدامنی اور بے سکونی کا استعارہ ہے۔

---

[1]۔ قشیری، مسلم بن حجاج، **صحیح مسلم** (کراچی، مکتبۃ البشری، ۱۴۳۲ھ)، کتاب الایمان، باب علامات المنافق، ح ۲۱۰

[2]۔ مجیب اللہ ندوی، **اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات**، مرکز تحقیق لاہور، ص: ۷۴

فصل سوم

معاہدات نبوی کی مطالعاتی اہمیت

معاہدات نبوی ﷺ:

اسلام نسل انسانی کی وحدت کا پیغام ہے،اس کا مقصد توحید اسلام کی ترویج اسلام کی تکمیل ہے۔اسلام میں معاہدات کی مطالعاتی اہمیت مسلم ہے۔ معاہدات مختلف نوعیت اور پہلو کے حامل ہوتے ہیں جیسے سیاسی، معاشی، معاشرتی، سماجی وغیرہ۔

ان معاہدات نبوی ﷺ کے چند مطالعاتی پہلو درج ذیل ہیں۔

۱۔ معاہدات نبوی ﷺ کا معاشی پہلو

۲۔ معاہدات نبوی ﷺ کا دعوتی پہلو

۳۔ معاہدات نبوی ﷺ کا جغرافیائی پہلو

۵۔ معاہدات نبوی ﷺ کا سیاسی پہلو

۶۔ معاہدات نبوی ﷺ کا دفاعی پہلو

ان میں سے ہر ایک کو مختصراً ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

معاہدات نبوی کا معاشی پہلو:

پیغمبر اسلام ﷺ نے بعض ایسے معاہدات فرمائے جن کے پیشِ نظر یا مطالعہ سے پتا چلتا ہے جس کے نتیجے میں ریاست مدینہ کا معاشی پہلو مستحکم نظر آتا ہے کیوں کہ کسی بھی ریاست کی ترقی کے لیے اس کا معاشی طور پر مضبوط ہونا از حد ضروری ہے۔ اس لیے پیغمبر اسلام نے معاشی استحکام کے پیشِ نظر کچھ معاہدات کیے جن سے اہلیانِ مدینہ اور ارد گرد کے لوگوں کو بہت فائدہ ہوا۔

مواخاتِ مدینہ کا معاشی پہلو:

جب مسلمانانِ مکہ نے دینِ اسلام کی خاطر مکہ سے مدینہ ہجرت کی تو سب سے بڑا مسئلہ ان مہاجرین کی آباد کاری تھا کیوں کہ مدینہ کے مسلمان مالی طور پر اس قدر مضبوط نہ تھے کہ اس بوجھ کو برداشت کرتے۔ ان حالات کے

پیشِ نظر حضور ﷺ نے انصار اور مہاجرین کے درمیان بھائی چارے کی صورت میں ایک معاہدہ قائم کیا۔ اسے مواخاتِ مدینہ کہتے ہیں۔

لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُونَ، مِنْ مَكَّةَ، الْمَدِينَةَ قَدِمُوا وَلَيْسَ بِأَيْدِيهِمْ شَيْءٌ، وَكَانَ الْأَنْصَارُ أَهْلَ الْأَرْضِ وَالْعَقَارِ، فَقَاسَمَهُمُ الْأَنْصَارُ عَلَى أَنْ أَعْطَوْهُمْ أَنْصَافَ ثِمَارِ أَمْوَالِهِمْ، كُلَّ عَامٍ، وَيَكْفُونَهُمُ الْعَمَلَ وَالْمَئُونَةَ، وَكَانَتْ أُمُّ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَهِيَ تُدْعَى أُمَّ سُلَيْمٍ، وَكَانَتْ أُمُّ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، كَانَ أَخًا لِأَنَسٍ لِأُمِّهِ، وَكَانَتْ أَعْطَتْ أُمُّ أَنَسٍ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِذَاقًا لَهَا، فَأَعْطَاهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَّ أَيْمَنَ، مَوْلَاتَهُ، أُمَّ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَأَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا فَرَغَ مِنْ قِتَالِ أَهْلِ خَيْبَرَ، وَانْصَرَفَ إِلَى الْمَدِينَةِ، رَدَّ الْمُهَاجِرُونَ إِلَى الْأَنْصَارِ مَنَائِحَهُمُ الَّتِي كَانُوا مَنَحُوهُمْ مِنْ ثِمَارِهِمْ[1]

جب مہاجرین مکہ سے مدینہ آئے تو اس حالت میں آئے کہ ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا، جبکہ انصار زمین اور جائیدادوں والے تھے۔ تو انصار نے ان کے ساتھ اس طرح حصہ داری کی کہ وہ انہیں ہر سال اپنے اموال کی پیداوار کا آدھا حصہ دیں گے اور یہ (مہاجرین) انہیں محنت و مشقت سے بے نیاز کر دیں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ، جو ام سلیم کہلاتی تھیں اور عبد اللہ بن ابی طلحہ جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مادری بھائی تھے، کی بھی والدہ تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی (انہی) والدہ نے رسول اللہ ﷺ کو کھجور کے اپنے کچھ درخت دیے تھے، رسول اللہ ﷺ نے وہ اپنی آزاد کردہ کنیز، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی والدہ، ام ایمن رضی اللہ عنہا کو عنایت کر دیے تھے۔ ابن شہاب نے کہا: مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب رسول اللہ ﷺ اہل خیبر کے خلاف جنگ سے فارغ ہوئے اور مدینہ واپس آئے تو مہاجرین نے انصار کو ان کے وہ عطیے واپس کر دیے جو انہوں نے انہیں اپنے پھلوں (کھیتوں باغوں) میں سے دیے تھے

"مدینہ میں معاش کا سب سے بڑا ذریعہ زراعت تھا لیکن مہاجرین تجارت میں ماہر تھے۔ کسی کا بوجھ نہیں بننا چاہتے تھے۔ ان حالات کے پیشِ نظر انصار صحابہ کرام نے اپنی زمینیں مہاجرین صحابہ کرام کو دیں اور شرط یہ طے پائی مہاجرین صحابہ کرام زمینوں میں انصار صحابہ کی جگہ کام کریں گے اور پیداوار کا نصف انصار کو دیا کریں گے۔ اس طرح دونوں فریقین کھیتوں کی کمائی میں

[1] -قشیری، مسلم بن حجاج، **صحیح مسلم** (کراچی، مکتبۃ البشری، ۱۴۳۲ھ)، کتاب الجھاد والسیر، باب رد المھاجرین الی الانصار، ح:۴۶۰۳۔

برابر شریک رہے اور اپنی ضروریات اچھے طریقے سے پوری کرتے رہے۔ آخر کار جب خیبر[1] فتح ہوا تو مسلمانوں کو کثیر مالِ غنیمت ملا تو مہاجرین نے اپنے انصاری بھائیوں کو زمینیں واپس کر دیں۔ یوں انصار و مہاجرین معاشی طور پر مستحکم ہو گئے۔"[2]

میثاقِ مدینہ کا معاشی پہلو:

میثاقِ مدینہ کا معاہدہ پیغمبرِ اسلام کی بے نظیر سیاست کی ترجمانی کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے ایسے معاشرے کی بنیاد ڈالی جو عالمگیر انسانیت کا داعی بنا۔ یہ انسانیت کا اولین دستور ہے۔ اس معاہدہ کا معاشی پہلو یہ ہے کہ:

"مسلمانوں سے دیت اور فدیہ کے تعاون کے ساتھ ساتھ اپنے بے بس اور مقروض مسلمان بھائیوں کی امداد کا بھی وعدہ بھی اس معاہدہ کی شق میں شامل تھا۔"[3]

گویا معاشی اعتبار سے مالی طور پر مستحکم لوگوں کو اپنے دوسرے بھائیوں کی مدد کی ترغیب دی گئی۔

جیسے

"ان المؤمنین لا یمفرحاً بینهم ان یعلوه بالمعروف فی فداء او عقل"[4]

ترجمہ: اہل ایمان کسی غریب، مفلس یا مقروض شخص کی مدد کرنا نہیں چھوڑیں گے تاکہ ان کا فدیہ یا خون بہا ادا ہو سکے۔

اور دوسری شق جو معاشی حکمت عملی کی نشان دہی کرتی ہے۔

"وَ ان الیهود ینفقون مع المتقین ماد امو فجار بین"[5]

ترجمہ: یہودی اپنے مالوں کو مسلمانوں کے مالوں کے ساتھ خرچ کریں گے جب تک دونوں فریقین مل کر (کسی کے خلاف) برسرِ پیکار ہوں گے۔

---

[1] -"مدینہ منورہ سے ۱۶۵ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، زرخیز علاقے کا نام ہے یہاں ہجرت مدینہ سے قبل بھی کثیر تعداد میں کھجوروں کے باغات تھے۔ تاریخ میں اس شہر کا نام خیابر بھی ہے۔" اس میں سات بڑے قلعے تھے جن کے نام یہ ہیں۔ حصن نائم، حسن الی التحقیقی، الشق، النطاۃ، السلالم، الوطیح، الکتبیہ، رسول اللہ ﷺ نے خیبر ۷ ہجری میں فتح کیا تھا۔ (یاقوت بن اعبد اللہ، احموی، ابو عبد اللہ شہاب الدین، **معجم البلداں**، ص ۲۵۱)

[2] ۔ مجموعہ الوثائق السیاسیہ، ص ۲۶۱

[3] ۔ معجم البلدان، ص ۱۴۵

[4] ۔ سیّد محبوب رضوی، **رسول اللہ ﷺ کے مکتوبات اور معاہدات**، علمی مرکز ادارہ، تاریخ دیوبند، یوپی، سن ندارد

[5] ۔ مجموعہ الوثائق السیاسیہ، ص ۲۵۹

صلح حدیبیہ کا معاشی پہلو:

صلح حدیبیہ کی ظاہری شرائط کے سبب مسلمان پریشان تھے لیکن بعد ازاں اس کی فتح و نصرت کی بشارت ملی تو مسلمان بہت خوش ہوئے کیوں کہ اس کے فوراً بعد غزوہ خیبر ہوا جس میں مسلمانوں کو کثیر تعداد میں مالِ غنیمت ہاتھ لگا جس کی وجہ سے مسلمان معاشی طور پر آسودہ ہو گئے۔ اسی آسودہ زندگی کی بابت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ : مَا شَبِعْنَا حَتَّى فَتَحْنَا خَيْبَرَ"[1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اور ہم نے پیٹ بھر کر (کھانا) نہیں کھایا مگر خیبر کی فتح کے بعد۔

اسی طرح مختلف قبائل سے معاہدات کا معاشی پہلو قبائل سے معاہدات کے پیشِ نظر معاشی، معاشرتی، سیاسی استحکام نصیب ہوا۔ معاہدہ جہینہ، معاہدہ ابوا اور معاہدہ بنو غفار اور دیگر چند قبائل سے جو معاہدات کیے گئے ان کا معاشی پہلو یہ تھا کہ

"اگر ان پر دشمن کا حملہ ہوا تو معاہدین میں سے ہر ایک ان کی مالی، جانی، دفاعی مدد کرے گا"[2]

اور

"جب پیغمبر اسلام انھیں بلالیں مدد کے لیے بلائیں گے تو انھیں آنا ہو گا۔"[3]

گویا معاہدات کے معاشی پہلو کے مختصراً جائزہ کے بعد کہا جاسکتا ہے کہ تقریباً زیادہ تر معاملات کے پیشِ نظر ریاست مدینہ کی معاشی پالیسی کا استحکام ضروری تھا کیوں کہ کسی بھی ریاست کو سیاسی، معاشرتی اور دفاعی طور پر مضبوط

کرنے کے لیے اس کا معاشی طور پر مستحکم ہونا ضروری اور لازم ہے۔

دعوتی پہلو:

---

[1] ۔ بخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الجھاد والسیر، باب غزوہ خیبر، ح ۴۲۴۳

[2] ۔ مبارک پوری، صفی الرحمان، **الرحیق المختوم**، المکتبہ السلفیہ، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۲۷۱

[3] ۔ ایضاً

اسلام دینِ فطرت ہے۔ آپ ﷺ نے دعوت کے ہر ایک پہلو کو ملحوظ رکھتے ہوئے دینِ اسلام کا پیغام نہایت خوب صورت انداز میں مختلف قبائل اور وفود تک پہنچایا اسی ضمن مختلف قبائل سے معاہدات ہوئے۔ اس مہادہ کے دعوتی پہلو یہ ہیں۔

معاہدہ عقبہ اولیٰ اور ثانیہ کے دعوتی پہلو:

پیغمبرِ اسلام حج یا عمرہ کے موقع پر مختلف قبائل اور وفود سے ملنے اور انھیں اسلام پیش فرماتے اور مقصدِ حیات کے بارے میں بتاتے اور توحید کا درس دیتے۔ آپ ﷺ کے دعوتی انداز کی انفرادیت اور اسلام کی دعوت نے بعض سلیم الفطرت لوگوں کے دلوں کو نرم کر دیا گویا مدینہ سے آئے ہوئے وفد کے سارے لوگ اسلام میں داخل ہو گئے۔ بعد ازاں مدینے جا کر اپنے گھر والوں اور اقرباء کو دینِ اسلام کی دعوت دی۔ یوں اسلام کی ترویج و اشاعت کا پہلا مرحلہ قرار پایا۔

بیعتِ عقبہ ثانیہ:

اس ملاقات میں ۷۰ سے زائد لوگوں نے اسلام قبول کیا گویا بیعتِ عقبہ اولیٰ و ثانیہ کا یہ دعوتی پہلو نمایاں ہے کہ

> "اوس و خزرج کے ۵۰۰ سے زائد لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور ان سلیم الفطرت طبائع نے مدینہ سے باہر اسلام کی تعلیمات کو خوب پھیلایا۔"[۱]

صلح حدیبیہ:

صلح حدیبیہ کے اغراض و مقاصد امن کا قیام اور اسلام کا فروغ تھا۔ ایسا معاہدہ ہے جس کے معاشی، دعوتی اور سیاسی اثرات نمایاں تھے۔ اس معاہدہ کے چند دعوتی اثرات

۱۔ میثاق مدینہ کے دعوتی پہلو

۲۔ صلح حدیبیہ کا دعوتی پہلو

۳۔ معاہدات امان کا دعوتی پہلو

میثاقِ مدینہ کا دعوتی پہلو۔ یہ میثاقِ مدینہ ۱ ہجری میں ہوا۔ جب ریاست مدینہ میں باقاعدہ طور پر اسلام کو غلبہ حاصل ہوا تو پیغمبر انقلاب ﷺ نے ریاست و معاشرت کے اصول بنا کر عالم انسانیت کو

۱۔ محمد یعقوب، **جانِ رحمت**، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء، ص ۱۴۱

ایسا نظام دیا کی جس کی بنیاد انسانیت کا احترام اور ریاست کا امن تھا۔ اس لیے یہ معاہدہ کثیر الجہات جیسے ۔اسی معاہدہ کے چند دعوتی پہلو یہ ہیں۔

"۱۔میثاقِ مدینہ کی وجہ سے اسلامی نظام کو غلبہ ملا اور اسلام کی ترویج و اشاعت کا کام آسان ہوا۔

۲۔ دعوت اور عبادت کے لیے مرکز نصیب حاصل ہوا۔

۳۔ مدینہ کے اطراف و اکناف میں تبلیغِ اسلام کے لیے ماحول ساز گار ہوا۔

۴۔ اسلام کے انصاف پسند اور اصول پسند قوانین کا عملاً نفاذ ہوا جس کے نتیجے میں جس سے متاثر ہو کر اطراف و اکناف میں بسنے والے مختلف المذاہب لوگ اسلام قبول کرنے لگے۔"[1]

صلح حدیبیہ کا دعوتی پہلو:

صلح حدیبیہ ۶ ہجری کو ہوا۔ یہ معاہدہ سلح مسلمانوں کی عزت اور فتح کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ یہ فتح آنے والے وقت میں فتح مبین کے نام سے موسوم ہوئی۔ معاہدہ حدیبیہ نے مسلمانوں کی طاقت تمکنت میں اضافہ کر دیا تھا۔ اہلِ کفر اسلام کی طاقت ماننے پر مجبور ہوئے۔

اس معاہدے کے معاشی، سماجی، مذہبی اور دعوتی پہلو کثیر الجہات ہیں۔

ذیل میں چند دعوتی پہلو کو ذکر کیا جاتا ہے۔

سیاسی پہلو

معاہدات کسی بھی قوم یا ملک کی ترقی کا ضامن ہیں انھی معاہدات میں ایسے معاہدات بھی شامل ہیں جو سیاسی حالات کے پیشِ نظر کیے جاتے ہیں۔ یہ درج ذیل ہیں۔

صلح حدیبیہ کا معاہدہ سیاست کے آئینہ میں:

---

[1] ۔ طبری، محمد بن جریر، **تاریخ طبری**، نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ۲ / ۲۶۰

صلح حدیبیہ ۶ ہجری کو ہوئی۔ اس کے دفعات اور اثرات کے پیشِ نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جہاں یہ معاہدہ کئی جہات کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے وہیں اس معاہدہ کی سیاسی جہت نمایاں ہے۔

"بظاہر مسلمانوں نے دب کر یہ معاہدہ کیا کیوں کہ کفات اس معاہدے سے خوش او رمسلمان غمگین تھے لیکن صلح حدیبیہ کے بعد جو فتوحات مسلمانوں کو حاصل ہوئیں وہ مسلانوں کی سیاسی برتری کا منہ بولتا ثبوت تھیں۔

۱۔ مشرکین نے مسلمانوں کی سیاسی اکائی کو تسلیم کر لیا۔اس طرح کفر اور شرک کے درمیان واضح خط کھینچ دیا گیا۔

۲۔ مشرکین کی اکثر نامور سپہ سالا جیسے خالد بن ولید وغیرہ نے اسلام قبول کر لیا۔[۱]

گویا یہ کہا جاسکتا ہے کہ مشرکینِ مکہ سے مسلمانوں کا "اسلام کی برتری" تسلیم کرالینا بڑی کامیابی تھی۔

میثاقِ مدینہ کا سیاسی پہلو:

میثاقِ مدینہ ایک ایسا دستوری اور سیاسی آئین ہے جس کے ذریعے حضور ﷺ نے نا صرف تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ تحریری دستور مرتب کیا بلکہ دینِ اسلام کی سیاسی حیثیت کو اس دستور کے تحت مدینہ کے مختلف المذاہب لوگوں سے منوالیا۔

"اس کے ذریعے پیغمبرِ اسلام نے اہلِ ایمان اور دیگر لوگوں کے حقوق کا تعین کیا، مہاجرینِ مکہ کی آبادکاری اور ان کے سماجی مسائل کو حل کیا"[۲]

گویا اس آئینی دستور کے زیرِ سایہ مدنی معاشرہ حاکمیت، قانون، سیاسی اور سماجی طور پر مستحکم ہو گیا۔

معاہدات کا دفاعی پہلو:

اسلام امن کا مذہب ہے اور جنگ و جدال سے منع کرتا ہے لیکن جب دشمن حملے کو منصوبہ بندی کرتے ہوئے حملہ کرے تو اسلام مکمل طور پر دفاع کا حق دیتا ہے۔ ان حالات میں پیغمبرِ اسلام ﷺ نے مکمل دفاعی پالیسیاں

۱۔ طاہر القادری، ڈاکٹر، سیرۃ الرسول ﷺ، ص۶ / ۶۱۵

۲۔ طاہر القادری، ڈاکٹر، ایضاً

بنا رکھی تھیں اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان پالیسیوں کے پیشِ نظر حکم فرماتے۔ان دفاعی پالیسیوں میں ایک اہم نکتہ یہ بھی تھا کہ جب دشمن مغلوب ہو جائے یا مصلحت کے پیشِ نظر معاہدہ کرنا پڑے تو ان حالات میں معاہدہ کے لیے ہاتھ بڑھایا جاسکتا ہے۔ جیسے "معاہدہ میثاق" وغیرہ

معاہدۂ میثاق کا دفاعی پہلو:

اسلامی ریاستِ مدینہ کے وجود کے فوراً بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاسی اور دفاعی طور پر مدینہ کو مستحکم بنانے کی غرض سے مدینہ کے باسیوں سے ایک معاہدہ طے کیا جس میں یہ واضح کیا گیا کہ کسی کے حقوق سلب نہیں کیے جائیں اور مذہب سے بالاتر ہو کر باہمی اتحاد قائم رکھا جائے گا۔ اگرچہ "معاہدہ میثاق" مکی دور میں ایک بین الاقوامی سیاسی معاہدہ تھا لیکن جزوی اعتبار سے کئی دفاعی نکات اس میں پائے جاتے ہیں۔ جیسے

"١- وَ انه لا يخرج منهم احد الا باذن محمد صلى الله عليه وسلم"

ترجمہ: اور (یہ کہ) یہود میں سے کوئی بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اذن کے بغیر (جنگ کے لیے) نہیں نکلے گا۔

٢- و ان يثرب حرم جوف منها لاهل هٰذه الصحيفة

ترجمہ: اور یثرب کا داخلی علاقہ (جوفہ) اس صحیفے والوں کے لیے حرم کی طرح ہو گا۔

٣- على كل اناس حصنهم من جا نبهم الذى قبلهم

ترجمہ: تمام (لوگ) جو شہر مدینہ میں (رہتے ہیں) اپنی اپنی اطراف کی حفاظ کے ذمہ دار ہوں گے۔(یعنی حد مدینہ کی سرحدوں میں سے ہر سرحد کے قریب رہنے والا اس سرحد کی دفاعی طور پر نگرانی کرے گا۔)

٤-وانه بينهم النصر من دهم يثرب[1]

ترجمہ: (یہود اور مسلمان) میں سے ہر کوئی مدینہ پر حملہ کی صورت میں ایک دوسرے کی مدد کے پابند ہوں گے۔"

گویا ان نکات کے تناظر میں کہا جاسکتا ہے کہ

---

[1] ۔حمید اللہ، ڈاکٹر، **الوثائق السیاسیۃ**، ص٥٩ / ٦٥

"معاہدہ میثاق" دفاعی پہلو کے اعتبار سے بھی خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ان معاہدوں کے بعد مدینہ کی ریاست داخلی اور خارجی سازشوں اور حملوں سے محفوظ ہو گئی اور مشترکہ دفاعی نظام کی وجہ سے مدینہ کی ریاست کو استحکام ملا۔

جغرافیائی پہلو:

"کسی ریاست کی بقا اور استحکام کا دارومدار اس کے جغرافیائی جہات کے مرہونِ منت ہوتا ہے۔ اسی لیے پیغمبرِ اسلام ﷺ نے مدینہ کے مضافات میں بسنے والے لوگوں کسے مختلف جہتوں پر مبنی معاہدات کیے۔ جس سے جغرافیائی اعتبار سے مدینہ کی ریاست کو تحفظ ملا۔ اسی فکر کے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ نے یہ حکمت عملی اختیار فرمائی کہ جو بھی قبیلہ یا خاندان اسلام قبول کرتا آپ ﷺ اسے مدینہ کے مضافات میں آ کر بسنے کا حکم دیتے جس کا فائدہ یہ ہوتا کہ دن بدن اسلامی ریاست کا جغرافیائی محل وقوع میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ جس سے دفاعی اور سیاسی پوزیشن مزید مضبوط ہوتی جارہی تھی۔"[1]

آپ ﷺ نے ریاست مدینہ صلح و امان اور دیگر حلیفی معاہدات کے ذریعے ریاست مدینہ کی جغرافیائی حیثیت بدل کے رکھ دی۔ مدینہ کے اطراف میں آباد قبائل جو ہر وقت "ریاست مدینہ" کے خلاف سازشیں کرتے، اب معاہدات کے بعد وہ جغرافیائی اعتبار سے ریاست مدینہ کا حصہ بن گئے اور اس کی سالمیت کے عہد کو بھی خوشی سے قبول کر لیا۔

قبیلہ جہینہ سے معاہدہ:

یہ قبیلہ مدینہ سے ۸۰ میل کے فاصلے پر نبوع کے قریب بحر احمر کے نزدیک آباد تھا۔ اسی کے قریب ہی قبیلہ بنو خمرہ بھی آباد تھا۔ ان سے باہمی اتحاد کا معاہدہ طے پایا۔

"۱۔ ان کے جان و مال کی حفاظ کی جائے گی۔

۲۔ اگر ان پر کوئی حملہ کرے گا تو ان کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔

۳۔ ان کے قریب جو سلیم الطبع لوگ آباد ہیں ان کو بھی امان حاصل ہو گی۔"[2]

---

[1] ۔ محمد بن سعد، **طبقات ابن سعد**، ناشر نفیس اکیڈمی کراچی، ص ۱ / ۲۳۳

[2] ۔ **ایضا**

"اسی شرائط کے مطابق قبیلہ بنو ضمرہ، بنو ضمرہ، بنو ربعہ اور دیگر قبائل سے بھی اسی شرائط پر معاہدے قائم ہوئے۔"[1]

مذکورہ معاہدات کے پیشِ نظر دو چیزیں تھیں۔

ا۔ پہلا مقصد اولین لوگوں کے دین، جان ومال اور حقوق کا تحفظ تھا۔

۲۔ دوسرا مقصد جغرافیائی اعتبار سے "ریاست مدینہ" کو وسعت دینا تھا کیوں کہ اس طرح اطراف مدینہ میں بسنے والے لوگوں کے شر سے "ریاستِ مدینہ" کو تحفظ مل گیا تھا۔ اسی طرح مدینہ کی سیاسی، مذہبی، جغرافیائی، دفاعی بالا دستی کو قبول کر لیا گیا گویا معاہدات نبوی ﷺ کثیر الجہات ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرے کی خوشحالی، امن و سکون، مذہبی رواداری اور دیگر مصالحت معاشرہ کے ایسے اصول مہیا کرتے ہیں جن پر ایک پُر امن اور صلح پسند معاشرے کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔

---

[1] ۔ محمد بن سعد، **طبقات ابن سعد**، ص ۱ / ۲۳۳

باب دوم

معاہداتِ نبوی کے سیاسی اور سماجی اثرات

فصل اوّل: معاہدات نبوی کے مذہبی ودعوتی اثرات

فصل دوم: معاہدات نبوی کے سیاسی واخلاقی اثرات

فصل اوّل

معاہدات نبوی کے مذہبی و دعوتی اثرات

انسانی سماج معاہدات کا مجموعہ ہے۔ قدم قدم پر انسان دوسرے انسان کے ساتھ کسی نہ کسی معاہدے کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ معاہدات معاشرے کی ترقی کا ضامن بھی ہوتے ہیں۔ معاہدے اس لیے کیے جاتے ہیں کہ مختلف انسانوں کے مابین اختلافات اور تضادات کو ختم کر کے اتفاق و اتحاد کو فروغ دیا جائے۔

گویا معاہدات کی بنیادی روح یہ ہے کہ اس کے ذریعے اختلافات نمٹیں۔ انسانیت ترقی کرے۔ انسانوں میں سماج کا عدل، امن، خوشحالی اور اخوت نمایاں ہو۔ تاکہ امن و سکون کے ماحول میں اسلام کی ترویج و اشاعت ممکن ہو۔ ان مقاصد کے پیش نظر پیغمبر اسلام ﷺ نے دیگر قبائل و اقوام سے مختلف النوع معاہدات کیے۔

ان معاہدات کے دعوتی اثرات درج ذیل ہیں۔

بیعت اولی و ثانیہ کے دعوتی اثرات:

اعلانِ نبوت کے بعد پیغمبرِ اسلام ﷺ نے خفیہ اور اعلانیہ دعوت کا کام کرتے ہوئے دس سال گزارے آپ ﷺ نے اس دوران افراد، گروہوں، قبیلوں اور قافلوں کو دعوتِ دین کا کام پہنچاتے رہے۔ یہ سلسلہ ہنوز جاری تھا کہ

"گیارہ نبوی بمطابق ۶۲۰ھ بغرض حج مکّہ آتے ہوئے چھ افراد جو بغرض حج مکّہ آئے تھے۔ ان افراد نے منیٰ کی گھاٹی عقبہ کے مقام پر حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اسے "بیعتِ عقبہ اولیٰ" کہتے ہیں۔ یہ تاریخِ اسلام کی پہلی بیعت ہے۔"[1]

"ایسی اونچی اور لمبی پہاڑی جس کی چوٹی تک راستہ جاتا ہے۔ مراد مشکل گھاٹی"[2]

دشوار گزار پہاڑی راستہ ایسا راستہ جو مشکل بھی ہو اور خفیہ بھی۔[3]

---

[1] ۔فیروز الدین، مولوی، **فیروز اللغات**، فیروز سنز، لاہور، ص ۲۷۶

[2] ۔ بلیاروی، عبد الحفیظ، ابو الفضل، مولانا، **مصباح اللغات**، المصباح اردو بازار، لاہور، ص ۵۷۳

[3] ۔ ایضاً، ص: ۵۷۳

یثرب کے چھ سعادت مند اشخاص اور بیعتِ رسول ﷺ:

حج کے موسم میں نبی کریم ﷺ کو دعوتِ اسلام کے لیے چند ایسے کار آمد نفوس سے ملاقات ہوئی

حج کے موسم میں نبی کریم ﷺ کو دعوتِ اسلام کے لیے چند ایسے کار آمد نفوس سے ملاقات ہوئی۔ جن کے سائبان ایمان میں مسلمانوں نے برسوں راحت محسوس کی۔ اہلِ مکّہ حق کی راہ میں اکثر رکاوٹ ڈالتے تھے۔ نو مسلم افراد پر ظلم وستم کرتے تھے۔ ان حالات کے پیشِ نظر نبی کریم ﷺ رات کی تاریکی میں مختلف قبائل کو اسلام کی دعوت دیا کرتے تھے۔ حسبِ معمول حضورِ اکرم ﷺ عرب کے قبائل سے ملاقات کے لیے منیٰ کی طرف نکلے اسی دوران آپ ﷺ کی ملاقات عقبہ کے قریب قبیلہ خزرج کے ایک گروہ سے ہوئی۔ آپ ﷺ نے ان کے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟ انھوں نے اپنا تعارف کرایا تو آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ اگر آپ لوگ مجھے اجازت دیں تو میں آپ سے کچھ بات کروں انھوں نے بخوشی اجازت دی تو آپ ﷺ ان لوگوں کے پاس بیٹھ گئے۔ اور ان کو اسلام کی دعوت پیش کی اور انھیں قرآن سنایا چنانچہ انھوں نے بخوشی اسلام کی دعوت قبول کرلی۔ پورے اطمینان کے ساتھ اسلام کی اور آپ ﷺ کی تصدیق کی۔

یہ افراد جو عقبہ کے مقام پر حضور ﷺ سے ملے اور ایمان کی دولت سے اپنے سینوں کو منور کیا ان کی تعداد ۶ ہے۔ جن کے نام یہ ہیں۔

"۱۔ ابو امامہ اَسعد بن زُرارہ

۲۔ عوف بن الحارث بن رفاعہ

۳۔ رافع بن مالک

۴۔ قطبہ بن عامر بن حدیدہ

۵۔ عقبہ بن عامر بن نابی

۶۔ جابر بن عبد اللہ بن رباب

ابن اسحاق، شعبی اور واقدی کے اقوال سے چھ افراد کی تائید ملتی ہے۔ جب کہ موسیٰ بن عقبہ کے نزدیک پہلی بیعت عقبہ کے شرکاء کی تعداد آٹھ ہے۔ لیکن اکثریت شرکاء بیعت کی تعداد کے بارے میں چھ (۶) کے عدد پر متفق ہیں۔"[1]

---

[1] ۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، **سیرت سرورِ عالم**، ادارہ ترجمان القرآن، ۱/ ۶۹۳

"جب یہ لوگ مدینہ واپس گئے تو اپنے ساتھ اسلام کا پیغام بھی لے کر گئے اور گھر گھر پیغام اسلام پہنچانے میں اپنے شب و روز گزارنے لگے۔ اگلے سال بارہ نبوی میں بارہ آدمی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ یہ حج کا موسم تھا۔ ان گروہ میں سابقہ حج افراد کے علاوہ سوائے جابر بن عبداللہ سات نئے افراد بھی تھے۔"[1]

"ان لوگوں نے عقبہ کے مقام پر جو مکّہ جاتے ہوئے منیٰ کے راستے میں موجود ہے۔ وہاں پر نبی پاک ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ بیعت آپ ﷺ کے پر امن رویے اور مشن کی منہ بولتی تصویر ہے۔ یہی بیعت عقبہ کہلاتی ہے۔"[2]

متنِ بیعت:

حضرت عبارہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم سب مجھ سے اس بات پر بیعت کرو:

أَخْبَرَنِي أَبُو إِدْرِيسَ عَائِذُ اللَّهِ ، أَنَّ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ مِنَ الَّذِينَ شَهِدُوا بَدْرًا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِنْ أَصْحَابِهِ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ , أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ وَحَوْلَهُ عِصَابَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ : تَعَالَوْا بَايِعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوا ، وَلَا تَزْنُوا ، وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ ، وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ , وَلَا تَعْصُونِي فِي مَعْرُوفٍ , فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ , وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ بِهِ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ لَهُ كَفَّارَةٌ , وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَسَتَرَهُ اللَّهُ , فَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ إِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ وَإِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ ، قَالَ : فَبَايَعْتُهُ عَلَى ذَلِكَ .[3]

ہمیں ابوادریس عائذ اللہ بن عبداللہ نے خبر دی کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر کی لڑائی میں شرکت کی تھی اور عقبہ کی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کیا تھا۔ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت آپ کے پاس صحابہ کی ایک جماعت تھی، کہ آؤ مجھ سے اس بات کا عہد کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گے، چوری نہ کرو گے، زنانہ کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے، اپنی طرف سے گھڑ کر کسی پر تہمت نہ لگاؤ گے اور اچھی باتوں میں میری نافرمانی نہ کرو گے، پس جو شخص اپنے اس عہد پر قائم رہے گا اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور جس شخص نے اس

---

[1]۔ مبارکپوری، مولانا صفی الرحمٰن، **الرحیق المختوم**، المکتبہ السلفیہ، لاہور ص:۲۴۶ / ۲

[2]۔ ایضاً

[3] - بخاری، **صحیح بخاری**، کتاب الایمان، باب وفود الانصار، ح:۱۸

میں کمی کی اور اللہ تعالیٰ نے اسے چھپا رہنے دیا تو اس کا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے، چاہے تو اس پر سزا دے اور چاہے معاف کر دے۔ عبادہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا چنانچہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان امور پر بیعت کی۔

اس مخلصانہ بیعت کے جو دعوتی اثرات مرتب ہوئے اس کا نتیجہ تھا کہ اگلے سال جو افراد حج کے لیے آتے ہیں اور آپ ﷺ کے جانثاران میں شامل ہوتے ہیں اور حالات اسلام کے حق میں پلٹتے ہیں اور مستقل معلمِ دین کا مطالعہ حضورِ کونین کے دربار میں پیش کیا جاتا ہے۔

مصعب بن عمیر بحیثیت داعی اسلام:

"یثرب میں اسلام کا سفیر اوّل مصعب بن عمیر تھے۔ جب بیعت مکمل ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے مصعب بن عمیر سے فرمایا کہ اے مصعب! نو مسلم افراد کے ساتھ یثرب جاؤ تاکہ انھیں اسلام اور قرآن کی دعوت دے سکو۔ اشاعت اسلام کر سکو آپ ﷺ نے اس مبارک کام کے لیے سابقین اولین میں سے مصعب کا انتخاب فرمایا۔ آپ کا پورا نام مُصعَب بِن عُمیر عَبدَرِی رضی اللہ عنہ ہے۔"[1]

حضرت مصعب بن عمیر مدینے میں لگاتار دین اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ انصار کا کوئی محلہ ایسا نہ تھا جس میں مسلمان مرد اور عورتیں موجود نہ ہوں۔ صرف تین یا چار گھرانے ایسے تھے جو غزوہ خندق تک اسلام کی دولت سے محروم رہے۔"[2]

بیعتِ عقبہ ثانیہ:

"۱۳ نبوی میں یثرب کے مسلمانوں اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی دینی کوششوں کے سبب ستر (۷۰) سے زائد مسلمان فریضہ حج کی ادائیگی کے لے مکّہ تشریف لائے تھے۔ ابن ہشام نے ان کی کل تعداد پچھتر (۷۵) بتائی ہے۔ جس میں تہتر مرد اور دو (۲) عورتیں تھیں۔ ان نفوس قدسیہ نے منیٰ کی اس گھاٹی عقبہ کے مقام پر اپنے بت پرست ساتھیوں سے چھپ کر حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس بار انھوں نے نبی کریم ﷺ کو یثرب آنے کی دعوت دی اور مکمل تعاون کی یقین دہائی کائی۔ اس بیعت کو بیعت عقبہ ثانیہ کہتے ہیں۔"[3]

---

[1]۔ مبارک پوری، صفی الرحمٰن، مولانا، **الرحیق المختوم**، المکتبہ السلفیہ، ۲۰۰۰ء، ص:۲۰۶

[2]۔ المودودی، ابوالاعلیٰ، **سیرت سرورِ عالم**، ادارہ ترجمان القرآن، ص۲۵۵ / ۲

[3]۔ ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک، **السیرۃ النبویہ**، مکتبہ مصطفی البابی، مصر ۱۳۷۵ھ، ص ۱/ ۵۲۲

بیعتِ عقبہ ثانیہ کی اہم دفعات اور نکات:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ہم آپ سے کس بات پر بیعت کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس بات پر کہ بیعت کرو کہ:

۱۔ چستی اور سستی ہر حال میں بات سنو گے اور مانو گے۔

۲۔ تنگی اور خوشحالی ہر حال میں مال خراج کرو گے۔

۳۔ بھلائی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے۔

۴۔ اللہ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پروانہ کرو گے۔

۵۔ جب میں تمھارے پاس آوں تو میری مدد کرو گے اور میری مکمل حفاظت کرو گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد بیعت کے شرکاء میں سے ۱۲ آدمیوں کا انتخاب کیا اور ان کا نام نقیب رکھا۔

قبیلہ خزرج کے نو(۹) نقیب تھے اور قبیلہ اوس کے تین (۳) نقیب تھے۔ ان کے نام یہ ہیں۔

قبیلہ اوس کے نقباء کے نام یہ ہیں:

۱۔ اسید بن حضیر بن سماک

۲۔ سعد بن خثیمہ بن حارث

۳۔ رفاعہ بن عبد المنذر بن زبیر / ابو الہیثم بن تیہان

قبیلہ خزرج کے نقباء کے نام یہ ہیں:

"۱۔ اسعد بن زرارہ ۲۔ رافع بن مالک

۳۔ عبادہ بن صامت ۴۔ سعد بن ربیع

۵۔ منذر بن عمرو ۶۔ عبد اللہ بن رواحہ

۷۔ براء بن محرور ۸۔ عبد اللہ بن عمرو بن حزام

۹۔ سعد بن عبادہ"[1]

نقیب کی جمع نُقباء ہے۔ نقیب کا مطلب قوم کا گواہ، ضامن یا سردار ہے۔ نقیب الاشراف عند المسلمین لوگوں کے احوال کی خبر رکھنے والا[1]

[1] منصور پوری، محمد سلیمان قاضی، رحمۃ اللعلمین ناشر مرکز الحرمین فیصل آباد، طباعت ۲۰۱۰ء، ص:۱/ ۱۰۴

بعد ازاں نقیبوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

"جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بارہ اشخاص کو چن لیا تھا۔ اس طرح میں تمھیں چنتا ہوں۔ تمھارا کام یثرب میں دین پھیلانا اور اس کی تبلیغ کرنا ہے۔ مکّہ والوں میں یہ کام میں خود سرانجام دوں گا۔"[۲]

اسلام کی تاریخ کا یہ انقلابی موقع تھا جسے خدا نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فراہم کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یثرب والوں کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اہلِ یثرب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک پناہ گزین کی حیثیت سے نہیں بلکہ نائبِ خدا اور ایک فرماں روا کی حیثیت سے بلا رہے تھے۔ بلکہ مقصد یہ تھا کہ:

۱۔ تمام اسلام کو ماننے والے ایک جگہ جمع ہوں۔

۲۔ مختلف قبائل اور خطوں سے مسلمان ہونے والوں کو یثرب میں جمع کرنا۔ تاکہ سب مسلمان مل کر یثرب کو ایک منظم اسلامی معاشرہ بنائیں اور یثرب کو "مدینۃ الاسلام" کی حیثیت سے پیش کر سکیں۔[۳]

بیعتِ اولیٰ اور ثانیہ کے عصری افادات:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے ساتھیوں کے عظیم صفات و کمالات کی طرف قرآن اور بائبل جیسی سابقہ کتب میں جو اشارے ملتے ہیں اور ان کی جو خوبیاں بیان ہوئی ہیں اس کی وجہ غالباً بھی یہی ہے کہ ان کے قائم کردہ اور اختیار کردہ اصول وضوابط آخری امت کے لیے قابلِ تقلید عمل اور نمونہ ہونا چاہیے تاکہ آنے والی نسل کو عملی زندگی میں کم سے کم دشواری کا سامنا ہو۔ انہیں بنیادوں پر عصرِ حاضر میں اس کی افادات کی درج ذیل صورتیں ہیں۔

۱۔ اسلامی ممالک باہم ایک تنظیم کی صورت میں منظم ہو۔ OIC باقاعدہ طور پر اسلامی ممالک کے حق میں آواز بلند کرے تاکہ مسلمان لادینی طاقتوں کے سامنے جرات مندانہ مؤقف کا اظہار کر سکے۔

۲۔ اللہ اور رسول کے ہر حکم پر عمل پیرا ہونے کی عملی کوششوں کا نفاذ کیا جائے۔

۳۔ اجتماعی زندگی کی اہمیت اور افادیت کو معاشرے میں اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔

---

[۱]۔ بلیاوی، عبدالحفیظ، ابوالفضل، مولانا، **مصباح اللغات**، المصباح اردو بازار، لاہور، ص:۹۳۶

[۲]۔ محمد سلیمان، قاضی منصورپوری، رحمۃ اللعالمین مکتبہ اسلامیہ، ص:۱ / ۱۰۵

[۳]۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سیرت سرورِ عالم، ادارہ ترجمان القرآن، ص:۳/ ۳۷

۴۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی ممالک کے سربراہان اور ذمہ داران اسلام اور شارع اسلام کی توہین کرنے والوں کے خلاف اجتماعی طور پر یہ بیعت کریں کہ تمام اسلامی ممالک ایسے فتنہ پرور ممالک اور ان کے تمام تر مصنوعات سے مکمل طور پر بائیکاٹ کرنے کا عملی نفاذ کرے۔

علماء دینی تعلیمات کی دعوت اس انداز میں دیں جس سے مذہبی رواداری کا پہلو نمایاں ہو۔ فرقہ پرور اور ملک دشمن عناصر کا قلع قمع ممکن ہو۔ معاشرے میں سماجی عدل و انصاف، معاشی اور معاشرتی ترقی اور مذہبی رواداری کی فضا قائم ہو۔ اسلامی ممالک اسلام دشمن عناصر کی دوستی سے گریز کریں۔

یہ وہ عصری افادات ہیں جن کی روشنی میں عملی طور پر "ریاستِ مدینہ" کے قوانین کا اجراء کر کے عملی طور پر مہذب اور منظم معاشرہ کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔

میثاقِ مدینہ

لغوی مفہوم:

"میثاق کا مادہ "و،ث،ق ہے۔

وثق، ثقۃ، وَثوقاً، موثِقا

اعتبار کرنا اور بھروسہ کرنا

وثاقۃ سے اسم آلہ بمعنیٰ مواثق، میثق، مواثیق"[۱]

"المِیثاق جَمعُ ، مواثق وَ مَیاثِق وَ مَوَاثیق"[۲]

ترجمہ: میثاق کی جمع میثاق مَوَاثِیق وغیرہ ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے۔ مواثق القوم۔ باہم عہد و پیمان ہونا۔

قرآن سے لفظ "میثاق" کی مثالیں۔

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ﴾[۳]

"اَی:اَخَذ العهد علیهم بان یُؤمنوا بِمُحَمَدٍ صلی الله علیه وسلم"

دوسری آیت:

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ﴾[۴]

"اَی:اَخَذ العهد بنی اسرائیل"

گویا میثاق کے معانی عہد نامہ ، عہد و پیماں، قول و اقرار کے ہیں۔ انگریزی میں "میثاق" کے لیے یہ لفظ استعمال کیے جاتے ہیں۔

"Agreement, Covenant, Promis, Pact"[۵]

---

[۱] ۔ محمد بن مکرم، ابن منظور عربی، **لسان العرب** لطباعۃ والنشریعت، ۱۹۰۶ء، ص ۱۷۳/۱۰

[۲] ۔ بلیاروی، عبد الحفیظ، مولانا، **مصباح اللغات**، قدیمی کتب خانہ، ص:۱۸۸

[۳] ۔ آلِ عمران:۸۱

[۴] ۔ البقرہ:۸۳

5 .**Rekhta dictionary**.com,18:34,21 jun 2021

میثاقِ مدینہ کا اصطلاحی مفہوم:

"اصطلاح میں اس سے مراد ایسا آئینی دستاویز (معاہدہ) ہے جو ۱ھ ہجری میں پیغمبرِ اسلام ﷺ اور مدینہ منورہ کے باشندوں (مسلمانوں، یہودیوں اور مشرکین) کے مابین ہوا۔"[1]

ڈاکٹر حمید اللہ کے بقول

"میثاق مدینہ دنیا کا پہلا تحریری دستور تھا جس نے مدینہ میں رہنے والے تمام باشندوں کو مذہبی آزادی کے ساتھ سیاسی، معاشرتی، مذہبی اور سماجی حقوق کے تحفظ کی ضمانت بھی دی۔"[2]

میثاقِ مدینہ کا تاریخی پس منظر:

ہجرت کے آٹھویں مہینے سن ۱ ہجری میں ایک معاہدہ کیا گیا جسے "میثاقِ مدینہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اسلام سے پہلے مدینہ میں یہود کا راج تھا۔ بعد از ہجرت رسول اللہ ﷺ نے پیغمبرانہ فراست سے یہ طے کر لیا کہ مدینہ میں موجود خارجی طاقتوں سے معاہدہ کیا جائے۔ پیغمبرِ اسلام ﷺ نے یہود و انصار کو جمع کر کے ان کے باہمی روابط کو منظم کیا۔ اس وقت مدینہ کے اطراف میں یہود کے تین بڑے قبیلے تھے جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ بنو قینقاع ۲۔ بنو نضیر ۳۔ بنو قریظہ

جب کہ انصار کے دو قبائل اوس و خزرج مدینہ میں آباد تھے۔ مدینہ میں بسنے والے مختلف قبائل کے باہمی تعلقات اور ان کے حقوق و فرائض کو منضبط کرنے اور سیاسی و دفاعی نظم و ضبط کے لیے ایسا تحریری معاہدہ کیا جسے "میثاقِ مدینہ" کہا جاتا ہے۔

میثاقِ مدینہ کی اہمیت و افادیت:

اس معاہدے کی اہمیت و افادیت کے بارے میں جو اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں۔

"۱۔ اس معاہدے کی بدولت مدینے کی شہری ریاست کا آغاز ہوا اور آنحضور ﷺ اس ریاست کے سربراہ تسلیم کر لیے گئے۔

---

[1]۔ **اردو دائرہ معارف الاسلامیہ**، ص ۲۱/ ۹۱۳

[2]۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، **مجموعہ الوثائق السیاسیۃ**، دار النفائس، بیروت، ۱۹۸۳، ص ۵۸

۲۔"بقول جسٹس امیر علی"، "یہ معاہدہ آپ کی عظمت کی ایک واضح دلیل ہے۔ کہ آپ ﷺ نے ایک عظیم مدبر حکومت اور ریاست دان کی طرح مختلف الخیال اور مختلف العقیدہ اور آپس میں منتشر لوگوں کو متحد اور یکجا کرنے کا کام بڑی مہارت سے سرانجام دیا۔ آپ ایک ریاست، ایک کامن ویلتھ اور ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینے میں لگ گئے جو بین الاقوامیت کے اصول پر مبنی تھا۔ "[۱]

۳۔شہریت، تنظیم حکومت، سیاسی رواداری، فراست اور حکمت عملی کا اظہار بھی اسی معاہدے سے ہوا۔

۴۔اس معاہدے کی بدولت مذہبی آزادی کا اصول وضع ہوا نیز جن بنیادوں پر غیر مسلموں سے اتحاد و تعاون ہو سکتا ہے اس کی نشان دہی ہوئی۔

۵۔اس معاہدے نے اہلِ اسلام کے باہمی حقوق و فرائض اور جملہ شہریوں کے آپس میں تعلقات، فرائض اور حقوق کا تعین کیا۔

۶۔اس معاہدے نے ظلم، ناانصافی، عدم مساوات اور ایسی دیگر خرابیوں کا سدِباب کیا۔

۷۔کمزوروں، ناداروں اور منظلوموں کی داد رسی کا پورا پورا اہتمام بھی اس معاہدے کی رو سے ہوا۔

۸۔حالِ امن اور حالِ جنگ کا لائحہ عمل مرتب ہوا۔

۹۔یہ معاہدے قریش کے خلاف ایک مشترکہ اتحاد بن گیا ار دشمنانِ اسلام کا داخلہ مدینہ میں بند کر دیا گیا۔

۱۰۔مدینہ کو حرم قرار دیا گیا یوں اس نئی شہری ریاست کی حرمت قائم ہوئی اور اس کے داخلی امن اور تحفظ و دفاع کا خاطر خواہ انتظام ہوا۔

۱۱۔اس معاہدے نے اہلِ اسلام کے بڑے دشمن مشرکینِ مکہ اور دوسرے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرنے سے روک دیا۔

۱۲۔اسی معاہدے نے شہریوں کے اندر قانون، اخوت، مذہب اور انسانی قدروں کے احترام کا بھرپور جذبہ پیدا کیا۔

---

[۱]۔امیر علی، سیّد، "**The Scripit of Islam**"، مکتبہ کراچی، ۱۹۴۹ء، ص ۵۷

۱۳۔ہادی دو جہاں ﷺ کے جاری کردہ اسی نظام کی بدولت ایک مضبوط اسلامی ریاست اور ایک صالح معاشرہ معرض وجود میں آیا۔"[1]

"میثاقِ مدینہ آپ ﷺ کی بے نظیر سیاست کی نشان دہی کرتا ہے۔ آپ ﷺ نہ صرف اپنے زمانہ کے بلکہ ہر دور کے سربراہ ہیں۔ آپ ﷺ نے ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھی جو عالمگیر انسانیت کا داعی تھا۔ معاہدے کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوتا ہے یعنی اللہ کے نام سے شروع کرنے والا جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ اگر یہودی اس معاہدے کی پابندی کرتے تو دنیا پر آشکارا ہو جاتا کہ مدینہ کی ریاست میں مختلف اقوام کس عدیم المثال اتحاد و امن کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہیں۔ یہ دستاویز نہ صرف اپنے زمانے میں اہمیت کی حامل تھی بلکہ اس نے آنے والے تمام مسلمان حکمرانوں کے لیے بھی رہنما اصول مہیا کیے اور اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ کس طرح سلوک کریں یہ انسانیات کا اولین دستور ہے۔"[2]

"اس میثاق کے لیے پیغمبرِ اسلام ﷺ نے "کتاب" اور "صحیفے" کے لفظ بھی استعمال فرمائے جس سے اس دستاویز کی اہمیت خوب اجاگر ہوتی ہے۔"[3]

بقول ڈاکٹر حمید اللہ

"میثاق مدینہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے جسے خود ریاست کے حاکم اعلیٰ نے نافذ کیا"[4]

معاہدے کی دفعات:

"پیغمبرِ اسلام ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان ایک تحریر لکھی جس میں یہود سے معاہدہ بھی شامل تھا۔ جس کے مطابق یہود کو ان کے جان و مال کے تحفظ کی یقین دہائی کرائی گئی تھی اور ان کے حقوق بھی واضح کیے گئے تھے۔"[5]

دستور کا متن ۵۳ نکات پر مشتمل ہے۔ جو درج ذیل ہیں

---

[1]۔ امان اللہ خان، ڈاکٹر، "**میثاقِ مدینہ کی اہمیت و افادیت**"، ماہنامہ فکر و نظر، جلد ۱۰، شمارہ ۱۱، ص ۵۷ تا ۶۰

[2]۔ محمد صدیق، پروفیسر، "**رسول اکرم ﷺ کی سیاست خارجہ**"، ایور گرین پریس، لاہور، ص ۱۸۸

[3]۔ غازی، حامد الانصاری، "**اسلام کا نظام حکومت**"، ص ۳۶۱

[4]۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، "**خطبات بہاول پور**، اسلام آباد"، ادارہ تحقیقاتِ اسلامیہ، ۱۹۹۲، ص ۶۷

[5]۔ ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک، **السیرۃ النبویہ**، مکتبہ مصطفی البابی، مصر ۱۳۷۵ھ، ص ۱/ ۵۷۶

بسم الله الرحمن الرحیم هذا کتاب من محمّد النبی بین المؤمنین والمسلمین من قریش ویثرب ومن تبعھم فلحق بھم وجاھد معھم

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔ یہ تحریر محمد ﷺ کی طرف سے جو اللہ کے نبی ہیں۔ قریش اور اہلِ یثرب کے اہلِ ایمان اور اطاعت گزاروں کے مابین ہے۔ اور ان لوگوں کے جو ان کے تابع ہوں گے اور ان کے ساتھ مل کر جہاد میں حصہ لیں گے

۱-﴿انھم أمّة واحِدَة مِن دُونِ الناس﴾[1]

ترجمہ: دوسرے لوگوں کے مقابلے میں وہ ایک امت یعنی سیاسی وحدت ہوں گے۔

۲- ﴿المھاجرون من قُریشٍ عَلیٰ رِبعِتھم یتعاقلون بینھم وَھم یفدون عانیھم بِالمعروفِ وَالقِسطِ بَینَ المؤمنینَ﴾[2]

ترجمہ: قریش کے مہاجرین اپنے قبل از اسلام کے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اور اپنے قیدیوں کا فدیہ ادا کریں تاکہ اہلِ ایمان کا آپس میں نیکی اور انصاف کا برتاؤ ہو۔

۳- ﴿وَبَنُو عَوفٍ عَلیٰ رِبعَتِھم یتعَاقلونَ مَعاقلھم الاولی کل طائفة تفدی عانیھابِالمعرُوفِ وَالقِسطِ بین المؤمنین﴾

ترجمہ: بنی عوف کے لوگ اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ مسلمانوں کا آپس میں نیکی اور انصاف کا برتاؤ رہے۔

۴- ﴿وَبَنُو الحَارِث عَلیٰ رِبعَتِھم یتعاقلُونَ مَعَاقَلھم الا وَلیٰ کل طائفة تفدی عانیھابِالمعرُوفِ وَالقِسطِ بین المؤمنین﴾

ترجمہ: بنی حارث بھی اپنے طریقہ پر خون بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ اہلِ ایمان کے مابین نیکی اور انصاف قائم ہو۔

۵ -﴿وَبَنُو ساعدة عَلیٰ رِبعَتھم یتعاقلُونَ مَعَاقَلھم الا وَلیٰ کل طائفة تفدی عانیھابِالمعرُوفِ وَالقِسطِ بین المؤمنین﴾

ترجمہ: بنی ساعد بھی اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کو فدیہ دے چھڑائے گا تاکہ اہلِ ایمان کے مابین نیکی اور انصاف کو فروغ ملے۔

---

[1] ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک، **السیرة النبویہ**، مکتبہ مصطفی البابی، مصر ۱۳۷۵ھ، ص ۵۷۶/۱

[2] حمید اللہ، ڈاکٹر، "**عہد نبوی میں نظام حکمرانی**" مکتبہ ابراہیمیہ حیدر آباد دکن، ص ۹۹

٦۔ ﴿وَبَنُوجيشم على رِبعَتهم يتعاقلون مَعَاقَلهم الا وَلیٰ كل طائفة تفدى عانيها بِالمعرُوفِ وَالقِسطِ بين المؤمنين﴾

ترجمہ: بنی جیشم بھی اپنے اصول کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ اہلِ ایمان کے کا برتاؤ نیکی اور انصاف کا رہے۔

٧۔ ﴿وَبَنُو الجارِ عَلیٰ يتعاقلون مَعَاقَلهم الا وَلیٰ كل طائفة تفدى عانيها بِالمعرُوفِ وَالقِسطِ بين المؤمنين﴾

ترجمہ: بنی جار بھی اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ مومنین کا برتاؤ نیکی اور انصاف قائم ہو۔

٨۔ ﴿وَبَنُو عُمرو بن عَوفٍ عَلیٰ يتعاقلون مَعَاقَلهم الا وَلیٰ كل طائفة تفدى عانيها بِالمعرُوفِ وَالقِسطِ بين المؤمنين﴾

ترجمہ: اور بنی عمرو بن عوف بھی اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ معروف طریقے سے ادا کرے گا جو مومنین کے درمیان انصاف پر قائم ہو۔

٩۔ ﴿وَبَنُوا النبيت عَلیٰ رِبعَتهم يتعاقلون مَعَاقَلهم الا وَلیٰ كل طائفة تفدى عانيها بِالمعرُوفِ وَالقِسطِ بين المؤمنين﴾

ترجمہ: اور النبیت بھی اپنے طریقے کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی کا فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ مومنین کا باہمی رویہ نیکی اور انصاف قائم ہو۔

١٠۔ ﴿وَبَنُوا الاوس عَلیٰ رِبعَتهم يتعاقلون مَعَاقَلهم الا وَلیٰ كل طائفة تفدى عانيها بِالمعرُوفِ وَالقِسطِ بين المؤمنين﴾[1]

ترجمہ: اور بنی اوس بھی اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی کا فدیہ دے کر آزاد کرے گا تاکہ اہلِ ایمان کے درمیان نیکی اور انصاف کا رویہ قائم ہو۔

١١۔ ﴿إن المومنينَ لَا يترُكُون مُفرحا بينهم ان يعطوه بالمعروف فى فداءٍ اَو عقل﴾[2]

ترجمہ: مومنین اپنے مابین کسی مقروض کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے، یہ نہیں ہو گا کہ وہ معروف طریقے سے ان کا فدیہ یا خون بہا ادا نہ کریں۔

---

[1] ۔ الازہری، محمد کرم شاہ، **ضیاء النبی**، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۳/ ۳۵۹

[2] ۔ لقمان اعظمی، ڈاکٹر سیّد ندوی، **عہد نبوی کا مدنی معاشرہ**، البدر پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۹۳

۱۲۔ ﴿وَاَن لا یحالِف مُومِن مولیٰ مؤمن دُونه﴾

ترجمہ: کوئی مومن کسی مومن کے آزاد کردہ غلام کو اس کے خلاف اپنا حلیف نہیں بنائے گا۔

۱۳۔ ﴿وَ اِن المؤمنین المتقِین ایدیهم علیٰ کل من بغی منهم اوابتغی دسیعةِظلما اَو اِثما اَو عُدوانا اَو فَسَاد بَین المؤمنین و ان ایدیهم علیه جمیعاولو کان ولد احدٍ منهم﴾

ترجمہ: اور ہر متقی اور پرہیز گار شخص اس شخص کی مخالفت کے لیے تیار رہے جو سرکشی کرے گا یا ظلم اور زیادتی کا راستہ اختیار کرے یا مومنین کے درمیان فساد برپا کرنے والا ہو، ایسے شخص کی اُلفت میں ان کے ہاتھ ایک ساتھ اٹھیں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

۱۴۔ ﴿وَلَا یقتُل مُومِن مُومِنا فِی کافِرٍ وَلَا ینصر کافِرٍ عَلیٰ مُومِنٍ﴾

ترجمہ: کوئی اہلِ ایمان کسی کافر کی خاطر کسی مومن کو قتل نہ کرے گا اور نہ کسی مومن کے خلاف کافر کی مدد کرے گا۔

۱۵۔ ﴿وَ اِن ذمةالله وَاحِدة یجِیرٌ علی ادناهم وَاِن المومنینَ بعضهم مَوَالی بعضٍ دُونَ الناس﴾[1]

ترجمہ: خدا کی ذمہ داری صرف ایک ہی ہے اگر مومنین میں کوئی ادنیٰ مسلمان بھی کسی کو پناہ دے تو وہ سب کی طرف سے ہو گی اور سب اہلِ ایمان دوسروں کے مقابلے میں آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

۱۶۔ ﴿وَانه مَن تبعنا مِن یهود فاِن له النصر ولأ سوة غیر مظلومین ولا متناصِرین عَلَیهم﴾

ترجمہ: یہودیوں میں سے جو اس معاہدے میں شریک ہوں گے انھیں برابر کی حیثیت حاصل ہو گی ایسے لوگوں پر ظلم نہ ہو گا اور نہ ان کے خلاف مدد کی جائے گی۔

۱۷۔ ﴿وَاِن سَلم المؤمنینَ وَاحِدة لا یسالِم مُومِن دُونَ مُومِن فِی قِتالٍ فی سَبیلِ الله اِلا عَلی سواءِ وَعدلٍ﴾

ترجمہ: اہلِ ایمان کی صلح ایک ہی ہو گی۔ کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو چھوڑ کر کفار کے ساتھ کوئی صلح نہ کرے گا جب تک کہ یہ صلح سب کے لیے برابر اور یکساں ہونی چاہیے۔

---

[1] ۔حمید الدین، ڈاکٹر، **محمد رسول اللہ**، ترجمہ و توضیح خالد پرویز، قذافی مارکیٹ، لاہور، ص ۱۲۹

۱۸۔ ﴿وَان کل غازیة غزتُ معنَا یعقِبُ بعضھا بعضا﴾

ترجمہ: وہ تمام گروہ جو ہمارے ساتھ ہو کر جنگ کریں گے ایک دوسرے کے پیچھے رہیں گے۔

۱۹۔ ﴿وَ اِن المومنین یبیئ بعضھا عن بعضٍ بما نالِ دماءھم فِی سببل للہ

ترجمہ: اہلِ ایمان اس تکلیف کا بدلہ لیں گے جو خدا کی راہ میں ان کے خون کو پہنچے۔

۲۰۔ ﴿وَاِن المومِنین المتقینَ عَلیٰ اَحسن ھدی واقومه

ترجمہ: اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ متقی اہلِ ایمان سب سے بہتر اور سب سے آگے ہیں۔

۲۱۔ ﴿وَانه لَا یجِیرُ مُشرِک مَالَا لِقُرَیشٍ وَ لَا نفساولا یحُولُ دُونه عَلٰی مُومِن﴾[1]

ترجمہ: اور کوئی مشرک قریش کے جان و مال کو پناہ نہ دے گا اور نہ کسی مومن کے لیے اس معاملے میں رکاوٹ بنے گا

۲۲۔ ﴿وَاِنه مَنِ اغتَبَطَ مُومِناً قتلا عَن بینة فانه قودبه اِلا اَن یرضی وَلی المقتولِ وَ اِن المومنین عَلَیه کَافة ولا یحِلُ لهم الا قیام علیه﴾

ترجمہ: جو شخص کسی مومن کا ناحق قتل کرے گا اور گواہوں سے اس کا ثبوت بھی مل جائے گا تو اس سے قصاص وصول کیا جائے گا سوائے اس صورت کے کہ مقتول کا ولی خون بہا پر راضی ہو جائے اور تمام لوگ اس کی تائید کریں گے اس کے علاوہ کوئی دوسری بات قبول نہ ہوگی۔

۲۳۔ ﴿وَانه لَا یحل لِمُومِن اقر بِما فِی ھذہ الصحیفَة وامَنَ باللہِ وَالیوم الاخرِ اَن ینصر مُحدِثاً اوَلَا یؤوِبه وَانه مَن نَصره أو آواه فان عَلَیه لَعنَتُ اللہ وَ غَضَبَه یومَ القِیامة وَلَا یوخَذ صَدق وَلَا عَدل﴾

ترجمہ: کسی مومن کے لیے جو اس تحریر کے مندرجات کو تسلیم کر چکا ہے اور خدا اور یومِ آخرت پر ایمان لا چکا ہے۔ یہ جائز نہیں کہ کسی فتنہ پرداز کو اپنے ہاں پناہ دے یا اس کی مدد کرے جو اس کو پناہ دے گا وہ قیامت کے دن خدا کی طرف سے لعنت اور اس کے غصے کا مستحق ہوگا اور اس سے کوئی فدیہ یا بدلہ نہیں وصول کیا جائے گا۔

۲۴۔ ﴿وَانکُم مما اختلفتم فِیه مِن شَیءٍ فَاِن مَرَده وَ اِلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ﴾

ترجمہ: جب تم میں آپس میں کسی بات میں اختلاف پیدا ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی جانب رجوع کرو۔

[1] ۔ابن کثیر، عماد الدین، ابو الفداء اسماعیل بن عمر، **البدایة والنھایة**، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ص ۳/۲۷۶

۲۵۔ ﴿وَ اِن الی یھود ینفقونَ مَعَ المتقینَ مَا داموا محارِبین﴾

ترجمہ: یہودی جب تک اہلِ ایمان کے ساتھ مل کر جنگ کریں گے اخراجات بھی برداشت کریں گے۔

۲۶۔ ﴿وَ اِن یھود بنی عَوِف اُمَّۃ مَعَ المومنین لِلیھودَ و دِینھم وَللمُسلمِینَ دینھم وَ اَنفسھم اِلَّا مَن ظَلَم او اثم وانہ لَا یوتغ اِلا نفسہ وَ اھل بیتہ﴾[1]

ترجمہ: بنی عوف کے یہودیوں کو اہلِ ایمان کے ساتھ ایک امت تصور کیا جاتا ہے یہودی اپنے دین پر رہیں گے اور مسلمان اپنے دین پر خواہ وہ موالی ہوں یا اصل لیکن ان میں سے جو لوگ ظلم یا جرم کا ارتکاب کریں گے تو وہ اپنی ذات اور اپنے گھرانے کے علاوہ کسی کو فتنہ و فساد میں نہیں ڈالیں گے۔

۲۷۔ ﴿وَ اِنَّ لیھود بَنی النجار مثل مَا بنی عوف﴾

ترجمہ: بنی نجار کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کی طرح کے حقوق حاصل رہیں گے۔

۲۸۔ ﴿اِنَّ لیھود بنی حارث مثل مَا یھود بنی عوف﴾

ترجمہ: بنی حارث کے یہودیوں کو بھی نی عوف کے یہودیوں کے حقوق حاصل رہیں گے۔

۲۹۔ ﴿اِنَّ الیھودبنی ساعِدۃ مِثل مَا یھود بنی عوف﴾

ترجمہ: بنی مساعد کے یہودیوں کو بھ وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو بھی ہوں گے۔

۳۰۔ ﴿اِن لیھودبنی جشم مثل ما یھود بنی عوف﴾

ترجمہ: اور بنی حیثم کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو بھی ہوں گے۔

۳۱۔ ﴿اِن یھود بنی ثعلبۃ مثل یھود بنی عوف اِلَّا مَن ظَلَمَ وَ اِثم وانہ لَا یوتغ اِلا نفسہ وَ اھل بیتہ

ترجمہ: اور بنی ثعلبہ کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابار حقوق حاصل رہیں گے البتہ کوئی شخص ظلم وزیادتی کا ارتکاب کرے گا تو اس کی ذات یا اس کے گھرانے کے علاوہ کوئی دوسرا فتنہ وفساد میں مبتلانہ ہو گا۔

---

[1] ۔البدایۃ اوالنھایۃ، ص ۳/۲۷۶

۳۲۔ ﴿وَ ان یهود بنی اوس مثل ما یهود بنی عوف﴾

ترجمہ: اور بنی اوس کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کی طرح کے حقوق حاصل رہیں گے۔

۳۳۔ ﴿وَ اِن جَفنة بَطنِ مِن ثَعلبة کَانفسهم﴾

ترجمہ: اور جفنہ کو بھی، جو کہ بنی ثعلبہ کی شاخ ہیں وہی حقوق حاصل ہوں گے جو کہ اصل کو

۳۴۔ ﴿وَاِن لِبنی الشطیبة مثل مَا لیهودبنی عوف وَ اِن البِر دونَ اِلاِثم﴾[1]

ترجمہ: بنی شطیبہ کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو کہ بنی عوف کے یہودیوں کو ان کی طرف وفا شعاری ہونی چاہیے، عہد شکنی نہ ہو۔

۳۵۔ ﴿وَ اِن موالی ثعلبة کَانفسهم

ترجمہ: ثعلبہ کے غلاموں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو کہ اصل کو حاصل ہوں گے۔

۳۶۔ ﴿وَ اِنا بِطانة یهود کَانفسهم﴾[2]

ترجمہ: یہودیوں کے قبائل کی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو ان کے اصل کو۔

۳۷۔ ﴿اِنه لَا یخرج مِنهم اَحَد اَلَا بِاذن مُحَمَّدٍ ﷺ﴾

ترجمہ: ان میں سے کوئی شخص حضور کی اجازت کے بغیر جنگ کے لیے نہیں نکلے گا۔

۳۸۔ ﴿وَ اِنَّ لَا ینحَجَزه عَلٰی ثار جَرح وَ اَنه مَن فتکَ بنفسه وَ اهل بَیته اَلَا مَن ظُلِم وَ اِنَّ الله عَلٰی ابر هذا﴾[3]

ترجمہ: زخم کا بدلہ لینے میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہ ڈالی جائے گی جو شخص خونریزی کرے گا۔ اس کی ذمہ داری اس پر اور اس کے گھرانے پر ہو گی۔ سوائے اس شخص کے جس پر ظلم کیا گیا ہو اور خدا اس کے ساتھ ہے۔

۳۹۔ ﴿وَاِنَّ عَلٰی الیهود نفقتهم وَ عَلٰی المسلمین نفقتهم﴾[4]

ترجمہ: یہودی اپنے اخراجات کے ذمہ دار ہوں گے اور مسلمان اپنے اخراجات کے۔

---

[1] ۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، **عہدِ نبوی میں نظام حکمرانی**، مکتبہ ابراہیم حیدر، کارواں، ص ۱/ ۱۰۶-۱۰۷

[2] ۔ محمد بن محمد، الحافظ ابی الفتح، **عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر**، مکتبہ دار التراث العربی، ص ۱/ ۲۳۱

[3] ۔ عیون الاثر، ص ۳۱۲

[4] ۔ محمد سلیمان، قاضی منصور پوری، **رحمت اللعالمین**، مکتبہ اسلامیہ، ص ۱۴۸

۴۰۔ ﴿وَ اِنَّ بینهم النصرُ عَلٰی مَن حَارَبَ اهل هذه الصحیفة وَ ان بینهم النصح والنصیحة وَ البر دونَ الاثم﴾

ترجمہ: اس دستور کو قبول کرنے والوں کے خلاف جو بھی جنگ کرے گا تو یہودی اور مسلمان دونوں مل کر اس کا مقابلہ کریں گے، ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور ایک دوسرے کی خیر خواہی چاہیں گے۔ ان کا طریقہ وفاشعاری کا ہو گا عہد شکنی کا نہیں ہو گا۔

۴۱۔ ﴿وَ اِنه لم یأثم اِمرَؤ بِحَلیفه وَان النصرَ للمَظلُوم﴾

ترجمہ: کسی شخص کو اس کے حلیف کی بد عملی کا ذمہ دار نہ ٹھہرایا جائے گا اور مظلوم کی ہر حال میں مدد کی جائے گی۔

۴۲۔ ﴿وَ اِنَّ الیهود ینفِقُونَ مَعَ المومِنینَ مَا دَاموا محارِبِین﴾

ترجمہ: یہودی جب تک مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو کر جنگ میں شرکت کریں گے اخراجات برداشت کرتے رہیں گے۔

۴۳۔ ﴿وَ اِنَّ یثربِ حَرَام جَوفهالاهل هذه الصحیفة﴾

ترجمہ: یثرب کا میدان اس تحریر کو تسلیم کرنے والوں کے لیے محترم و مقدس ہو گا۔

۴۴۔ ﴿وَانَّ الجَارَ کَا لنفسِ غیرمُضَارة ولاا ثم﴾[۱]

ترجمہ: پناہ حاصل کرنے والے سے ویسا ہی سلوک کیا جائے گا جیسا کہ پناہ دینے والے سے کیا جاتا ہے یعنی نہ اسے کوئی نقصان پہنچایا جائے گا اور نہ وہ کسی جرم کا ارتکاب کرے گا۔

۴۵۔ ﴿وَاِنه لَا تُجَارُ حُرمةاِلا بِاذن اهلها﴾[۲]

ترجمہ: کسی عورت کو اس کے کنبے والوں کی اجازت کے بغیر پناہ نہیں دی جائے گی۔

۴۶۔ ﴿وَاِنه مَا کَانَ بَین اهل هذه الصحیفة مِن حدث او اشتجار یخاف فساده فَاِن مرده الی الله وَ اِلیٰ مُحَمَّدِ رَسُولِ الله ﷺ وَاِنَّ الله عَلیٰ اتقی لی هذه الصحیفة﴾[۳]

---

[۱] ۔ ایضاً، ص ۱/ ۳۱۹

[۲] ۔ ابن سعد، محمد بن سعد، **الطبقات الکبریٰ**، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص ۱/ ۱۸۸

[۳] ۔ طاہر القادری، ڈاکٹر، **میثاقِ مدینہ کا آئینی تجزیہ**، منہاج القرآن، ص ۱۶۶-۱۶۷

ترجمہ: اس تحریر کو قبول کرنے والوں کے درمیان اگر کوئی ایسا معاملہ یا جھگڑا پیدا ہو جائے گا جس سے فساد پھیلنے کا خطرہ ہو تو اس صورت میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کیا جائے گا اس تحریر میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اللہ کی نگاہ میں پسندیدہ ہے اور (وہ چاہتا ہے کہ پوری احتیاط اور وفاداری کے ساتھ اس کی پابندی کی جائے گی۔

۴۷۔ ﴿وَ اِنّه لَا تجارُ قُرَیش وَلَا مَن نصرها﴾

ترجمہ: قریش کو اور ان کے کسی معاون و مددگار شخص کو پناہ نہ دی جائے گی۔

۴۸۔ ﴿وَ اِنَّ بینهم النصر عَلیٰ مَن دهم﴾

ترجمہ: اگر کوئی گروہ یثرب پر حملہ آور ہو تو معاہدہ کے فریقوں (یعنی مسلمانوں اور یہودیوں) کو ایک دوسرے کی مدد کرنا ہو گا۔

۴۹۔ ﴿وَ اَد دُعُوا اِلیٰ صلحِ یصالِحُونه وَ یلبسَونه وَ اِذا دُعُوا اِلٰی مثْل ذَلِکَ فَانه لهم عَلیٰ الموِمنین اِلا مَن حَرَبَ فِی الدین﴾

ترجمہ: اگر انھیں صلح کر لینے اور اس میں شریک ہونے کی دعوت دی جائے تو اسے قبول کرنا لازم ہو گا سوائے اس کے یہ کوئی دینی جنگ ہو۔

۵۰۔ ﴿عَلٰی کُل اِناس حصتهم من جانبهم الذِی قبلَهم﴾

ترجمہ: ہر شخص کو صرف اپنے مدِمقابل سے مدافعت کرنے کا حق ہو گا۔

۵۱۔ ﴿وَاِنَّ الیهود الاوسِ مَوالیهم و انفسهم عَلٰی مِثلِ مَا لا هلِ مَعَ البرِ المحضِ من اهل هذه الصفیحة﴾[1]

ترجمہ: اوس کے یہودیوں کو بھی خواہ وہ اصل ہوں یا غلام وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس تحریر کو تسلیم کرنے والوں کو حاصل ہیں۔

۵۲۔ ﴿وَ اِنه لَا یحُول هذاالکِتَابَ دونَ ظالِمِ اَو اثم وَ اِن مَن خَرَجَ امنَ وَ مَن قعَدَ امن با لمدینة اِلا مَن ظَلَمَ واثمَ﴾

ترجمہ: یہ معاہدہ کسی ظالم یا مجرم کی مدد نہ کرے گا وہ شخص جو جنگ کے لیے نکلے اور وہ شخص بھی جو گھر بیٹھا رہے، دونوں امن کے مستحق ہیں البتہ جو شخص ظلم اور جرم کا مرتکب ہو گا وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

---

[1] ۔ البدایۃ والنھایۃ، ص ۳/ ۶۷۶

۵۳۔ ﴿وَ اِنَّ اللہ جَارٌ لِمَن بَر وَ التقٰی وَ مُحَمَّدرسول اللہ ﷺ

ترجمہ: خدا اس شخص کا حامی و ناصر ہے جو اپنے عہد نامے کو پورا کرنے والا وفا شعار اور پرہیز گار ہے اور اللہ کے رسول بھی اس کے حامی و ناصر ہیں۔

ترجمہ: قریش کے مہاجرین اپنے قبل از اسلام کے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اور اپنے قیدیوں کا فدیہ ادا کریں تا کہ اہلِ ایمان کا آپس میں نیکی اور انصاف کا برتاؤ ہو۔

میثاقِ مدینہ کی خصوصیات:

میثاقِ مدینہ نہ صرف دنیا کا پہلا تحریری دستور ہونے کے ناطے امتیازی خصوصیات کا حامل ہے بلکہ اپنے نفس مضمون اور مافیہ کے اعتبار سے بھی اعلیٰ ترین دستوری و آئینی خصوصیات کا مرقع ہے۔

"اس صحیفہ مبارک کے ذریعے مدینہ منورہ کو مکہ مکرمہ کی حرم (مقدس) مقام) قرر دے کر ایک متحدہ مرکز بنا دیا اور ایک ایسا نظام قائم کیا گیا جو بہت تھوڑے عرصے میں ایشیا، یورپ اور افریقہ کے تین برِاعظموں میں پھیلی ہوئی ایک وسیع اور زبردست حکومت کا صدر مقام بن گیا۔ اس کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں۔"[1]

ا۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت:

اس دستاویز کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور رسول اللہ کی اطاعت کرنے کا حکم ہے اور اگر کوئی اختلاف معاہدہ کے شرکاء میں رونما ہو جائے تو اس کے حل کا یہ طریقہ طے پایا ہے کہ اس متنازعہ معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کی جائے اور سرکارِ دوعالم ﷺ کا فیصلہ حتمی اور قطعی ہو گا۔ باہمی امن و صلح کی ضمانت دی جا رہی ہے۔ اس لیے اہلِ یثرب نے قبائلی اور مذہبی اختلافات کے باوجود اس منشور کو صدقِ دل سے قبول کر لیا۔ اس منشور میں ان ساری انفرادیتوں کو زندہ در گور کر دیا گیا اور اس نے نئے معاشرہ میں ایک ایسی مرکزی قیادت قائم کر دی جس کی طرف ہر موقع پر رجوع کر سکتے تھے۔[2]

---

[1]۔ محبوب رضوی، سیّد، "**رسول ﷺ کے مکتوبات و معاہدات**، علمی مرکز ادارہ تاریخ، دیو بند یوپی، ص ۴۴ تا ۴۵

[2]۔ **الطبقات الکبری**، ص ۱/۱۸۸

۲۔ رسول ﷺ کی حاکمیت:

نبوی ﷺ حکومت جو دراصل ایسی حکومت ہوتی ہے جس میں حتمی فیصلہ اور اختیار اعلیٰ کا تعلق انسانوں سے

نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہوتا ہے۔ پیغمبر اس کے لیے براہِ راست نمائندہ ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کے احکام کی پیروی اللہ کے احکام کی پیروی کہلاتی ہے۔ اس اعتبار سے ریاست مدینہ میں اقتدار واختیار کا سرچشمہ ذات نبوی تھی۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں مرکزی حکومت کی باگ ڈور تھی۔[1]

۳۔ پیغمبرِ اسلام کا سیاسی تدبر:

"میثاقِ مدینہ" یہ وہ تاریخی معاہدہ ہے جس کی بدولت خاتم النبین ﷺ نے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرہ میں قائم فرمایا جس سے شرکاء معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کے اپنے عقیدہ و مذہب کے فلسفہ عدل و انصاف کی بناء پر آزادی اور حصولِ انصاف کا حق حاصل ہوا۔ انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی یہ تاریخ ساز دستاویز اور اس کی دفعات اپنی حقیقت پسندی پر آپ گواہ ہیں۔ امن و سلامتی، حریت اور عدل وانصاف کا ہر جوہر اس میں موجود ہے۔ ہر معاہدہ مذہبی رواداری ار فراخ دلی کی ایک ایسی مثال ہے جس پر دنیا فخر کر سکتی ہے۔ موجودہ دور کی اقوام متحدہ بھی فریقین میں اس سے بہتر اور رواداری پر مبنی معاہدہ نہیں کرا سکتی۔"[2]

۴۔ اوّلین دستور:

"دنیا کی سیاسی اور آئینی و دستوری تاریخ میں یہ امتیاز صرف میثاقِ مدینہ کو حاصل ہے کہ ریاست مدینہ کا دستور ہونے کے ناطے یہ دنیا کا پہلا تحریری دستور ہے تاریخ، انسانی کے مختلف ادوار میں سیاسی قواعد وضوابط اور حکمرانی کے اصولوں کے حوالے س کئی افکار و قوانین کو تحریری شکل میں لکھا گیا۔ میثاقِ دینہ کے ذریعے حضورِ اکرم ﷺ نہ صرف تاریخِ انسانی میں پہلی مرتبہ ایک باقاعدہ تحریر دستور کا تصور دیا بلکہ وہ مذہب جس کی تبلیغ آپ ﷺ مکہ میں فرماتے رہے مدینہ

---

[1]۔ ایضا

[2]۔ محمد ثانی، ڈاکٹر، حافظ، "**رسولِ اکرم اور رواداری**"، فضل سنز، کراچی، ۱۹۹۸ء، ص ۵۷

آتے ہی آپ ﷺ نے اس کی سیاسی حیثیت کو اس نئے شہر کے مختلف المذاہب باسیوں سے منوالیا۔ اس دستور کے ذریعے ہے۔

الف)۔ آپ ﷺ نے اہلِ ایمان اور مقامی باشندوں کے حقوق و فرائض کا باقاعدہ تعین فرمایا۔

ب)۔ مہاجرین مکہ کی آبادکاری اور ان کی معاشری بحالی کا انتظام فرمایا۔"[1]

۵۔ دفاعی استحکام:

"داخلی امن مستحکم ہو جانے کے بعد رسولِ خدا ﷺ نے مدینہ سے باہر آباد قبائل سے رابطہ پیدا کیا۔ پیغمبر نے

ان قبائل سے خاص طور پر تعلق پیدا کیا جن کے علاقوں میں سے قریشِ مکہ کے تجارتی قافلے گزر کر عراق، شام یا مصر کی طرف آجاتے تھے۔ رسولِ خدا ﷺ ان قبائل کے ساتھ بیرونی حملہ کے خلاف باہم فوجی امداد کی بنیاد پر دفاعی معاہدے کرنے میں کامیاب رہے۔ معاہدہ کے مطابق مسلمانوں کے فوجی دستے ان قبائل کے علاقوں میں گشت کرنے کے مجاز تھے مگر کافروں کو ایسا کرنے کی اجازت نہ تھی اس طرح ریاست کی اعلیٰ ترین فوجی قیادت بھی آپ ﷺ کی ذات ہو گی۔"[2]

۶۔ معاہدہ امن:

"میثاقِ مدینہ" آنحضور ﷺ کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ درحقیقت یہ معاہدہ نبی ﷺ کی امن و آشتی کی حکمت اور امن پسندی کی روشن دلیل ہے کہ

"مدینہ کا معاشرہ دفاعی، حاکمیت / قانون / سیاسی / عدالتی لحاظ سے مستحکم ہوا تھا۔"[3]

---

[1]۔ طاہر القادری، ڈاکٹر، "میثاق مدینہ کا آئینی تجزیہ"، ص ۵۸ تا ۵۹

[2]۔ محمد طفیل، "**نقوش رسول ﷺ**"، ادارہ فروغ اردو، لاہور، ص ۲ / ۵۷۲

[3]۔ مولانا رفیق، پروفیسر، "**نبی امن و آشتی**"، مکتبہ قرآنیات، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۴۳

۷۔ قبائل کے نقباء:

"چونکہ مدینہ میں م قبائل آباد تھے۔ اس لیے ہر قبیلہ ایک جگہ ہی رہتا تھا۔ ہر محلہ میں نقیب (امیر محلہ) عریف(نائب امیر) سقیفہ (اجتماع گاہ) ہوتے تھے ۔ انصار اس بارے میں پہلے ہی واقف تھے۔ صرف مہاجرین اس نظام سے نا آشنا تھے۔ چناں چہ عدالتی و معاشرتی قاصدر کے لیے مہاجرین کو بھی ایک قبیلہ قرار دیا گیا۔"[1]

۸۔ اسلامی ریاست کا قیام:

"میثاقِ مدینہ ایک لحاظ سے اسلامی ریاست کے قیام کا پیش خیمہ تھا چوں کہ حضور ﷺ کو رہنما تسلیم کر لیا گیا تھا۔ اس اسلام نے ایک نئی کروٹ لی اور مسلمان قوم کی زندگی نے ایک نئے دور میں قدم رکھا۔ کہ مدینے میں آنے کے بعد اسلامی ریاست کی بھی بنیاد پڑ گئی۔ حکومت کا قیام، ریاست کی تعمیر، اسلام کا کوئی مقصو نہیں۔ اسلام تو صرف ایک مثالی قسم کا صالح معاشرہ تعمیر کرنا چاہتا ہے جو حکومت سے بہت وسیع تر مفہوم رکھتا ہے اور نظامِ حکومت اس کا ادنیٰ سا جز ہے۔ اسلام سے قبل عرب میں کسی منظم حکومت کا وجود نہ تھا۔ عرب چند متفرق قبائل کا مجموعہ تھا۔ "[2]

جبکہ اسلام نے حکومت یا ریاست کا مقصد ایک صالح اور پاکیزہ معاشرے کا قیام قرار دیا ہے۔
ارسطو لکھتا ہے:

"ریاست کی غرض و غایت یہ ہے کہ اہلِ ریاست کے لیے حسنِ سیرت اور خوبی کردار کا ذریعہ ہے اس کا وجود ہے تو خری کی زندگی کے لیے لہٰذا اس کے قوانین ایسے ہونے چاہییں جن سے لوگوں میں صفات خیر کی پرورش ہو۔"[3]

جب کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴾[1]

---

[1]۔ محمد یونس، حافظ، ڈاکٹر، "**رسول اللہ کا سفارتی نظام**"، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۶ء،

[2]۔ ایضا

[3]۔ گوہر الرحمان، مولانا، **اسلامی سیاست**، ادارہ تفہیم القرآن، مردان، ۱۹۹۱، ص ۱۲۵

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔[1]

۹۔ سماجی آزادی:

اسلامی ریاست مدینہ کی پوری آبادی پر مشتمل تھی۔ دستوری طور پر ریاست کے تمام وفاقی عناصر کو مذہبی، آزادی اور داخلی خود مختاری حاصل تھی۔ دو بڑے وفاق عناصر مہاجر اور انصار دیت اور قیدیوں کے زر فدیہ جیسے معاملات میں اپنے قبل از اسلام کے رواج پر چلتے تھے اور اس میں خود مختار تھے۔ یہودیوں کو مذہبی آزادی کی حمایت دی گئی تھی۔ وہ دیت اور قیدیوں کے زر فدیہ اس طرح مذہبی آزادی سیاسی امن و سلامتی کی وضاحت ہوتی ہے جو اسلامی ریاست مدینہ کی ایک سماجی خوبی تھی اور اسلامی دعوت کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت تھی معاملہ میں بھی اپنے دستور پر چلنے میں آزاد تھے۔"[2]

میثاقِ مدینہ کے دعوتی اثرات:

"معاہدہ میثاق" کے ذریعے پیغمبرِ اسلام ﷺ نے سیاست و مذہب اور ریاست و معاشرت کے اصول متعین فرما کر عالم انسانیت کو ایسا نظام دیا جس کی بنیاد احترام انسانیت پر رکھی گئی ہے۔ یہ معاہدہ جہاں ایک آئینی اور سیاسی دستاویز کا نقشہ پیش کرتا ہے وہی اس معاہدہ کے دعوتی اثرات بھی نمایاں ہیں۔ جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

۱۔ اسلامی نظام کی بالادستی

۲۔ اشاعت یا دعوتِ دین کے لیے مناسب دار الخلافہ کا قیام

۳۔ اسلامی اجتماعیت کے وقار میں اضافہ

۴۔ مسلمانوں کے مابین مستحکم تعلقات کا استوار ہونا

۵۔ تمام اقوام کا رسول ﷺ کو سربراہِ ریاست تسلیم کرنا

---

[1] ۔ الحج:۴۱

[2] ۔ گوہر الرحمان، مولانا، **اسلامی سیاست**، ادارہ تفہیم القرآن ۱۹۹۱، ص ۱۲۸

۶۔ عمدہ مذہبی آزادی کی توثیق

۷۔ تعاون علی الخیر کے اصول کا اجراء

میثاقِ مدینہ کے دعوتی اثرات کے نمایاں پہلو ہیں :

ا۔اسلامی نظام کی بالادستی:

"نئی ریاست کی تاسیس اور تشکیل میں "معاہدہ میثاق" کو بہت اہمیت حاصل ہے۔اس معاہدہ کی وجہ سے مدینہ کی ریاست اندرونی اور بیرونی حملوں سے محفوظ ہوگئی اور ریاست میں امن و سکون ہوا۔ اس سے قبل یہود جو مدینہ میں اکثریت سے پائے جاتے تھے ہمیشہ انصار کے درمیان سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے باعث انھیں آپس میں لڑاتے تھے۔ جس سے ان کا مقصد مقامی قبائل کو کمزور کرنا تھا۔ اسی وجہ سے حضور ﷺ جب مدینہ میں آئے تو آپ ﷺ نے تمام مذاہب کے لوگوں کے درمیان ایک معاہدہ تحریر فرمایا تاکہ ریاست مدینہ کے امن و سکون کو قائم کیا جاسکے۔اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے عدل وانصاف، مذہبی آزادی اور دیگر تعلیمات کو عملاً نافذ کیا جس کے باعث سب نے اسلام کی بالادستی کو قبول کرلیا۔"[1]

اس رحمانی دعوت سے ہر طرف امن کو یقینی بنایا گیا بلکہ عموماً انسانی جانوں کو تحفظ ملا، سماج کو استحکام نصیب ہوا اور ساتھ ہی معیشت بھی مستحکم ہوئی۔

دعوتِ دین کی اشاعت:

"اس معاہدہ کے پیشِ نظر مسلمانانِ مدینہ کے لیے مدینہ کے اندر اور باہر اسلام کی تبلیغ و ترویج سہل ہوگئی کیوں کہ معاہدین میں سے ہر ایک دفاعی اور سیاسی طور پر ریاست کی سرحدوں کی حفاظت کا ذمہ دار تھا۔اسی وجہ سے بے فکر ہوکر اسلام کی تبلیغ کا موقع ہاتھ آیا۔"[2]

ریاست مدینہ کے اندر اس دعوت کو استحکام نصیب ہو اور مدینہ کے باہر دعوت پر توجہ مرکوز کرکے مواقع ہاتھ آئے۔

---

[1] ۔ محمد سرور خان، رانا، "سیرتِ سرورِ کونین"، رانا سرور خان پبلی کیشنز، ص ۴/ ۴۶۴

[2] ۔ محمد سرور خاں، **سیرت سرور کونین**، سرور خان پبلی کیشنز، ص ۴ / ۴۶۶

مسلمانوں کے وقار میں اضافہ:

"اس معاہدہ کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کے وقار میں اضافہ ہوا۔ یہ وجہ ہے کہ اہلِ اسلام کے باہمی حقوق و فرائض اور جملہ شہریوں کے تعلقات کا تعین کیا گیا۔ اس معاہدے کی بدولت
اہلِ اسلام کے خلاف یہودیوں اور
مشرکین کو سازشیں کرنے سے روک دیا گیا۔"[1]

مسلمانوں کے مابین تعلقات کا استوار ہونا:

"اس معاہدے کا دعوتی اثرات میں سے یہ نمایاں اثر ہے، جب مدینہ میں اسلام پھیل گیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ تمام عرب میں جہاں بھی مسلمان موجود ہیں اگر انھیں ان کے آقا کی طرف سے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ستایا جا رہا ہے تو ہو سب مدینہ کی طرف ہجرت کریں۔
یوں مسلمان مدینہ میں جمع ہونے لگے۔ ان کے آپس میں تعلقات استوار ہوئے۔"[2]

سربراہِ ریاست تسلیم کرنا:

"میثاقِ مدینہ" کے پیشِ نظر سب سے بڑی سیاسی کامیابی یہ تھی
تمام قبائل نے آپ ﷺ کی سربراہی کو قبول کر لیا گویا پیغمبرِ اسلام کا بحیثیت سربراہ خود کو تسلیم کرانا ایک سیاسی کامیابی ہونے کے ساتھ اسلام کی دعوت کے لیے تقویت کا سبب / کا باعث بھی تھی۔

مذہبی آزادی:

اس معاہدہ کے دعوتی اثرات کا ایک پہلو "مذہبی آزادی" تھا۔ اس معاہدہ کے بعد ریاست مدینہ کے باسیوں کو
مذہبی آزادی حاصل ہو گئی تھی۔ مذہبی معاملات میں دخل اندازی کا حق نہیں تھا جیسے کہ:

"اگر انھیں صلح کر لینے اور اس میں شریک ہونے کی دعوت دی جائے تو یہ اسے قبول کریں گے اور شریک ہوں گے۔ اسی طرح مسلمانوں کے لیے بھی ان کے بلاوے پر مدد کو جانا لازم ہو گا سوائے کہ وہ دینی جنگ ہو۔

---

[1] ۔ ایضاً، ص ۷۰م

[2] ۔ ایضاً، ص ۷۱م

"اِلَّا مَن حَارَبَ فِی الدِین"[1]

"ترجمہ: مذہبی معاملات میں کوئی دخل اندازی نہ کرے"

تعاون علی الخیر:

آپس میں باہمی تعاون کا معاہدہ بھی کیا گیا جو کہ ان الفاظ پر مشتمل تھا۔

﴿وَ اِنَّ بینهم النصرُ عَلٰی مَن حَارَبَ اهل هذه الصحیفة وَ ان بینهم النصح والنصیحة وَ البر دونَ الاثم﴾

ترجمہ: اس دستور کو قبول کرنے والوں کے خلاف جو بھی جنگ کرے گا تو یہودی اور مسلمان دونوں مل کر اس کا مقابلہ کریں گے، ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور ایک دوسرے کی خیر خواہی چاہیں گے۔ ان کا طریقہ وفاشعاری کا ہو گا عہد شکنی کا نہیں ہو گا۔

مندرجہ بالا نکات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ

پیغمبرِ اسلام کی دعوت اسلام کی ابتداء سے ہی کامیاب دعوتی پالیسی کا ثمر تھا کہ ہر آنے والے دن میں اسلام کے فروغ میں اضافہ ہوتا رہا۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد مدینہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو اسلام اور تیزی سے پھیلنے لگا اور دس سالہ مدنی زندگی میں اسلام کی دعوتی پالیسی کا اثر تھا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾[2]

ترجمہ: آج کے دن میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کام کر دیا۔

کے الفاظ سے اسلام کی ترویج واشاعت کی تکمیل کا اعلان ہوا

جزیرۃ العرب سے کفر وشرک کا مکمل خاتمہ ہوا۔ اس دعوت کے نتیجے میں چار دانگ عالم میں اسلام کی کرنیں پہنچیں اور لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے۔

---

[1] ۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، مجموعہ الوثائق السیاسیۃ، ص۱۵۸

[2] ۔ المائدہ:۳

معاہدہ حدیبیہ کے دعوتی اثرات:

معاہدہ حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس محبت و الفت کا اظہار پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اس قدر والہانہ عقیدت و محبت کو دیکھ کر مکی وفد حیران رہ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب انھوں نے واپس مکہ جا کر صحابہ کے بارے میں بتایا تو مشرکینِ مکہ حیران رہ گئے۔

"معاہدۂ حدیبیہ" کے دعوتی پہلو کے **درج ذیل نکات** ہیں۔

"ا۔ مجاہدین صحابہ کی اپنے لیڈر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت کے اظہار کا نظارہ وفدِ مکہ نے حدیبیہ کے مقام پر کیا۔ جب انھوں نے واپسی پر مکہ والوں سے اس والہانہ محبت کے اظہار کا تذکرہ کیا تو کئی سلیم

الفطرت لوگوں کے دل اسلام کے بارے میں نرم ہو گئے۔

۲۔ اہلِ قریش کے عظیم سپہ سالار خالد بین ولید رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص نے اسلام قبول کیا۔

۳۔ آئندہ سال مسلمان پوری آزادی کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔

۴۔ برضا و رغبت ایمان لانے والوں نے آئندہ اسلام کی سربلندی کے لیے اہم کردار ادا کیا۔

۵۔ "صلح حدیبیہ" سے پیغمبرِ اسلام کو مدافعانہ کارروائیوں سے تھوڑی فرصت ملی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبائل

اور دوسرے مذاہب کے حاملین کو اسلام کی دعوت دینے میں مصروف ہو گئے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ کا اثر تھا کہ فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار مسلمانوں کا لشکر لے کر فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے۔

۶۔ مدینہ میں اسلامی ریاست مستحکم ہو گئی اور اہلِ مکہ کو مدینیہ میں جا کر قربی سے دیکھنے کا موقع ملا ار مسلمانوں اور سلام کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا۔"[1]

گویا معاہدہ حدیبیہ کا دعوتی پہلو نمایاں ہے کہ ظاہری طور پر معاہدے کے نکات مسلمانوں کے حق میں نہیں تھے لیکن بعد میں یہی معاہدہ کئی اعتبار سے مسلمانوں اور اسلام کی سربلندی کے لیے سود مند ثابت ہوا۔

---

[1] ۔ محمد فتح گولن، **نور سرمدی فخر انسانیت**، ہارمنی پبلی کیشنز، ص ۱/ ۲۳۱

اہلِ نجران سے معاہدات کے نصرانیت پر دعوتی اثرات

اہلِ نجران سے معاہدات:

سن ۹ ہجری میں نجران کے عیسائی جمہوریت کا وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نجران کا علاقہ حجاز اور یمن کے درمیان ہے۔ اس علاقے میں عیسائیوں کے زیرِ تسلط ۷۳ بستیاں آباد تھیں۔ تمام لوگ عیسائی مذہب سے منسلک تھے۔ یہ بستیاں تین عیسائی سرداروں کے ماتحت تھیں۔ ایک سردار امیر قوم کہلاتا تھا جسے عاقب کہا جاتا ہے۔ دوسرا سردار سیّد کہلاتا تھا جو تمدنی اور سیاسی امور کا نگران ہوتا تھا۔ تیسرا سردار اُسْقُف کہلاتا تھا جو مذہبی معاملات کا نگران ہوتا ہے۔ فتح مکہ کے بعد جب عرب کے مختلف گوشوں سے وفود بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے لگے تو اس دوران نجران کے تینوں سرداروں نے بھی وفد کی صورت میں حضور ﷺ سے ملنے کا ارادہ کیا۔ تینوں سرداران ۶۰ آدمیوں کا وفد لے کر مدینے پہنچے۔"[1]

"اس وفد میں ۱۲ لوگ وفد کی سربراہی کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ ان کا شمار قابلِ احترام عیسائیوں میں ہوتا تھا۔"[2]

"عیسائیوں کا یہ وفد اس حالت میں مسجد نبوی میں داخل ہوا کہ یہ لوگ ریشم کے قیمتی لباس زیب تن کیے ہوئے تھے۔ انھوں نے مشرق کی جانب (بیت المقدس) کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے انھیں آزادی سے عبادت کرنے کی اجازت دے دی۔ بعد ازاں یہ لوگ راہول کا لباس پہن کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے ملاقات کی۔ حضور ﷺ نے وفد نجران کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے اسلام کی دعوت کو ٹھکرادیا اور بحث کا آغاز کر دیا۔"[3]

"نجران کے عیسائیوں نے کہا کہ عیسیٰ خدا ہیں۔ ایک گروہ انھیں خدا تصور کرتا ہے، دوسرا گروہ خدا کا بیٹا مانتا ہے جب کہ تیسرا گروہ تثلیث کا قائل ہے۔"[4]

---

[1] ۔المودودی، ابوالاعلیٰ، **سیرت سرورِ عالم**، مکتبہ ترجمان القرآن، لاہور، ص:۳/ ۳۶۱

[2] ۔ ابن ہشام،، **السیرۃ النبویہ**، ص ا/ ۳۸

[3] ۔ابن سعد، محمد بن سعد، **الطبقات الکبریٰ**، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص:ا / ۳۴۴

[4] ۔ابن ہشام، **السیرۃ النبویہ**، ص:ا/ ۳۸۲

عیسائی کہنے لگے اگر عیسیٰ خدا نہیں ہیں تو یا خدا کے بیٹے نہیں تو ان کا باپ کون ہے؟ ان کے اس دعویٰ کے رد میں قرآن کی آیت نازل ہوئی:

﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ﴾[1]

ترجمہ: بے شک عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نزدیک آدم علیہ السلام کی مانند ہیں۔

پیر کرم شاہ صاحب "تفسیر القرآن" میں اس آیت کی بابت لکھتے ہیں:

"عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ پیدائش کو اس بات کی دلیل بناتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا یا خدا کے بیٹے ہیں۔ قرآن نے واضح تردید کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اگر خدا ہونے کی یہ دلیل ہے تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کی بابت تمھارا کیا خیال ہے۔ وہ تو بغیر باپ اور ماں کے پیدا ہوئے۔ اگر انھیں انسان مانتے ہو تو عیسیٰ علیہ السلام کو کیوں خدا کا بیٹا کہتے ہو۔"[2]

یہ اللہ کی قدرت کا مظہر تھا کہ جو بغیر ماں باپ کے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا۔ یہ اللہ کے مشیت کی کرشمہ سازی ہے۔ پیغمبرِ اسلام واضح اور قطع دلائل و براہین کے ساتھ عیسائیوں کے باطل اقوال کو رد فرما رہے تھے۔ اور انھیں ان کے سوالوں کے جواب دے رہتے تھے۔ مگر عیسائی متواتر حق کا انکار کر رہے تھے۔ اسی دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہوا۔ سورۃ آلِ عمران کی مذکورہ آیت میں مباہلہ کا حکم دیا گیا۔ پیغمبر اسلام نے عیسائیوں کو مباہلہ کی دعوت دی۔

﴿فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ﴾[3]

ترجمہ: پھر اگر یہ لوگ عیسیٰ کے بارے میں تم سے جھگڑا کریں اور تم کو حقیقت الحال تو معلوم ہو ہی چلی ہے تو ان سے کہنا کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی آئیں اور تم خود بھی آؤ پھر دونوں فریق (خدا سے) دعا والتجا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت بھیجیں۔

محمد کرم شاہ الازھری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

---

[1]۔ آلِ عمران:۵۹

[2]۔ الازہری، محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

[3]۔ آلِ عمران:۶۱

"بنی نجران کے وفد کے تمام مشکوک شبہات کا قرآن تحقیقی جواب دے دیا۔ ایسے واضح اور روشن دلائل پیش
فرمائے۔ جس کے بعد کسی طالب حق کے لیے انکار کی گنجائش نہیں رہتی لیکن وفد نجران نے پھر بھی دعوت توحید کو قبول نہ کیا تو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو نجران کے عیسائیوں سے مباہلے کا حکم دیا۔"[1]

مباہلہ کے لغوی معنی:

"لغت میں ایک دوسرے پر لعنت کرنے اور بددعا کرنے کے معنیٰ میں ہے۔"[2]

اصطلاحی تعریف:

"اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ دو گروہ یا دو افراد ایک دوسرے کے خلاف بددعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اس پر لعنت ہو اور اس کی اولاد ہلاک ہو۔"[3]

لعنت کی تعریف:

"لعنت سے مراد دھتکارنا یا غصے سے دور کر دینا ہے۔ اللہ کی طرف سے لعنت کے یہ معنیٰ مراد ہیں۔" آخرت
میں عذاب مراد ہے"
دنیا میں اللہ کی رحمت سے دوری یا رحمت خداوندی کا منقطع ہو جانا"
انسان کی طرف سے لعنت کا مطلب دوسروں کے لیے "بددعا" کرنے کے ہیں۔"[4]

اہلِ نجران کی دستبرداری:

"جب پیغمبرِ اسلام اگلی صبح مباہلہ کے لیے تشریف لائے تو آپ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے۔ حضرت حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام آگے آگے چل رہتے تھے۔ جب کہ سیّدہ

---

[1]۔ ضیاء القرآن، جلد اول، سورۃ آلِ عمران

[2]۔ ابنِ منظور، **لسان العرب**، ص ۱۱/ ۲۴۲

[3]۔ بلاذری، احمد بن یحییٰ، **فتوح البلدان**، طبع قاہرہ، ۱۹۰۱ء، ص ۹۵

[4]۔ اصفہانی، راغب، **المفردات فی غریب القرآن**، دار العلم، الشاملۃ، ص: ۸۶۱

کائنات فاطمہ الذھرا رضی اللہ عنہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھیں۔ عیسائی بھی وہاں آ گئے ان کا بڑا عالم (اُسقف) آگے آگے تھا۔ ان عیسائیوں نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باقی افراد کو دیکھا تو ان کا تعارف طلب کیا جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایک چچازاد بھائی مراد (حضرت علی رضی اللہ عنہ) جو داماد بھی ہیں۔ دونوں نواسے حضرت حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام جب کہ یہ عورت میری بیٹی فاطمہ الذھرا رضی اللہ عنہا ہیں۔ نجران کے عیسائی یہ منظر دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے۔ کہنے لگے ہمیں ایسے چہرے نظر آرہے ہیں اگر خدا سے پہاڑ کے ٹکڑے ہونے کی دعا کرے تو خدا ایسا ہی کر دے گا۔ عیسائی مباہلے سے دستبردار ہو گئے۔ اور اس بات کو تسلیم کیا کہ وہ رسولِ خدا کے ساتھ صلح کریں گے اور جزیہ دیں گے۔[1]

"اسی طرح یہ بات تمام عرب میں پھیل گئی کہ نجران کے عیسائی ایسے عقائد کی اتباع کر رہے ہیں جن کی صداقت پر انھیں خود یقین نہیں ہے۔

اس موقع پر اہلِ نجران نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ انھیں صلح نامہ لکھ کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں صلح نامہ لکھ کر دیا۔

صلح نامہ ان نکات پر مشتمل تھا۔

"۱۔ نجران کے عیسائیوں کے لیے اللہ کی پناہ اور اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ ہے۔

۲۔ ان کی جانوں، مالوں، مذہب، اموال، مذہبی نشانات کو امان حاصل ہے۔

۳۔ ان کے حقوق اور مذہبی نشانات اپنی حالت پر باقی رہیں گے۔

۴۔ کسی پادری عالم کو اس کے مرتبے سے تبدیل نہیں کیا جائے گا نہ راہب کو اس کی رہبانیت سے معزول کیا جائے گا اور نہ کلیسا کے خادم کو اس کی خدمت سے ہٹایا جائے گا۔

۵۔ عہدِ جاہلیت کے کسی خون یا عہد کی ذمہ داری نہیں ہو گی۔

۶۔ ان کو فوجی خدمت ادا کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا اور نہ ان کی زمینوں کو کوئی لشکر نقصان پہنچائے گا۔

۷۔ نہ اہلِ نجران ظالم بن سکیں گے اور نہ مظلوم مگر جس شخص نے اس سے پہلے سود کھایا ہو میں اس کی ذمہ

---

[1] الازھری، محمد کرم شاہ، پیر، **ضیاء القرآن**، ص: ۴/ ۶۵۵

داری سے بری ہوں۔

۸۔ ان میں سے کسی شخص کو دوسرے کے گناہ کے بدلے نہیں پکڑا جائے گا۔

۹۔ اس معاہدہ میں جو کچھ ہے اس پر اللہ اور رسول کی ضمانت ہے جب تک اللہ کا حکم آئے۔

۱۰۔ جب تک وہ خیر خواہ رہے اور حقوق ادا کرتے رہے۔ معاہدہ باقی رہے گا۔ دو ہزار حلے سالانہ خراج ادا کرنے کی شرط پر صلح نامہ لکھا گیا۔"[1]

اہلِ نجران (عیسائیوں) سے کیے گئے معاہدہ کے سماجی اثرات:

سماجی اثرات کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

"۱۔ اسلام کی اہمیت معاشرے میں اجاگر ہو گی۔

۲۔ عیسائیوں کی مذہبی اور سماجی ذمہ داریوں پر باقی رکھا گیا۔

۳۔ مصالحت کی وجہ سے ان کے جانوں اور مالوں کو تحفظ دیا گیا۔

۴۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان سماجی طور کشیدگی ختم ہو گئی۔

۵۔ صلح نامہ کی افادیت کے پیشِ نظر کچھ عرصہ بعد ہی سیّد اور عاقب نام کے دونوں عیسائی مسلمان ہو گئے۔

۶۔ سماجی طور پر اسلامی اقدار کو فروغ ملا۔

۷۔ عیسائیوں کو ان کی سماجی، تہذیبی اور معاشرتی طور پر آزادنہ زندگی بسر کرنے کی اجازت ملی۔

۸۔ سماج میں عدل و انصاف کو فروغ ملا۔

۹۔ ریاستی اور دفاعی امور میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کے جذبہ کو فروغ ملا۔

۱۰۔ خراج کی ادائیگی کی وجہ سے معاشرہ معاشی طور پر مستحکم ہوا اور سماجی تحفظ کو فروغ ملا۔"[2]

باجگزاران فارس سے معاہدات کے دعوتی اثرات:

باجگزاران کا اردو معنیٰ:

---

[1] المودودی، سیّد ابو الاعلیٰ، **الجہاد فی الاسلام**، ادارہ ترجمان القرآن، ص:۲۷۷ تا ۲۷۸

[2] المودودی، سیّد ابو الاعلیٰ، **الجہاد فی الاسلام**، ص ۲۸۸

"باج "کا مطلب ٹیکس، خراج یا محصول کے ہیں۔ اردو میں باجگزار کا مطلب "خراج ادا کرنے والا"، مطیع، محکوم اور رعیت کے ہیں۔"[1]

"باج "کا مطلب ٹیکس، خراج یا محصول کے ہیں۔ اردو میں باجگزار کا مطلب "خراج ادا کرنے والا"، مطیع، محکوم اور رعیت کے ہیں۔"[2]

باجگزاران کا انگریزی مطلب

"باج "کا مطلب ٹیکس، خراج یا محصول کے ہیں۔ اردو میں باجگزار کا مطلب "خراج ادا کرنے والا"، مطیع، محکوم اور رعیت کے ہیں۔

“As a noun “Tributay”[3]

اسی طرح باج، محصول

“As a adjective “Tribut

باجگزاران، ریاست کو خراج، ٹیکس دینے والا، بار ماتحت

“A ruler or nation pays tribute.”[4]

گویا باجگزار کی جمع باجگزاران ہے۔ یہاں اس سے مراد فارس کی وہ ریاستیں ہیں جو عہدِ نبوی ﷺ میں اسلام کے زیر تسلط ہو گئیں اور پیغمبرِ اسلام نے ان سے خراج یا لگان وصول کیا۔

فارس کے باجگزاروں سے پیغمبر اسلام ﷺ کے معاہدات:

"عہدِ نبوی ﷺ میں فارس اور روم دنیا کی عظیم سلطنتیں تھیں۔ ان دونوں سلطنتوں میں طویل عرصہ سے باہم معاہدات کا سلسلہ جاری تھا۔ دونوں سلطنتیں ایک دوسرے کو شکست دینے کی فکر میں رہی تھیں۔ عہد نبوی ﷺ کے ابتدائی زمانہ میں رومیوں نے اپنی بادشاہت کا اکثر حصہ کھو

1- فیروز الدین، مولوی، **فیروز اللغات**، فیروز سنز، لاہور، ص ۵۶۳

1- فیروز الدین، مولوی، **فیروز اللغات**، فیروز سنز، لاہور، ص ۵۶۳

4- https://www. Your dictionary.com,19:33,21 Nov,2021

دیا جو مشرق میں واقع تھا۔ اس مقبوضہ علاقوں میں شام، آرمینیا، مصر حتیٰ کہ قسطنطنیہ تک ایرانی جھنڈے لہرا رہے تھے۔"[1]

اسی دوران قرآن نے اہلِ روم کی بابت پیش گوئی کی کہ رومی مغلوب ہو گئے مگر اس مغلوبیت کے چند سال کے اندر ہی وہ غالب آ جائیں گے۔ جیسے ارشاد ہوا:

﴿الم (١) غُلِبَتِ الرُّومُ (٢) فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ﴾[2]

ترجمہ: اقرب کی سرزمین میں رومی مغلوب ہو گئے۔ اور اسی مغلوبیت کے چند سال اندر وہ غالب ہو جائیں گے۔

نبی کریم ﷺ کی نبوی سے آٹھ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ:

"قیصر روم ماریس (Maurice) کے خلاف بغاوت ہوئی۔

"ایک شخص فوک (Phocas) تخت سلطنت پر قابض ہو گیا۔ اسی نے برسرِ اقتدار ہی سب سے ہوتے ہی سب سے پہلے قیصر اور اس کی آل اولاد کو قتل کروا دیا۔ ان حالات میں بادشاہ خسرو پرویز کو روم پر حملہ کرنے کا بہانہ مل گیا۔ آخر کار اس نے سلطنت روم پر حملہ کی منصوبہ بندی کی اور جنگ کا آغاز کیا۔ چند سال میں فوک کی فوجوں کو پے در پے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ روم کی اعیان سلطنت نے یہ دیکھا کہ فوک اس ملک کو نہیں بچا سکتا تو افریقہ کے گورنر سے مدد طلب کی اس نے اپنے بیٹے ہرقل (Heraclius) کو ایک طاقت ور بیڑے کے ساتھ قسطنطنیہ بھیج دیا۔ فوک کو معزول کر کے ہرقل کو تخت سلطنت دیا گیا۔ ہرقل نے فوک کو بھی وہی سزا دی جو اس نے ماریس کو دی تھی۔"[3]

دوسری طرف روم کی مغلوبیت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ٦١٩ تک پورا مصر ایران کے قبضہ میں چلا گیا۔ مجوسی فوجیوں نے طرابلس کے قریب پہنچ کر جھنڈے گاڑ دیے۔ آٹھ برس تک حالات ایسے تھے کہ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ رومی سلطنت ایران پر غالب آ جائیں گے۔ اسی لیے جب ان آیات کا نزول ہوا تو کفارِ مکہ نے خوب مذاق اڑایا۔

---

[1]۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، **رسول اللہ کا سیاسی نظام** (اردو) دارالاشاعت، کراچی، ١٩٨٠ء ص ١٥٦

[2]۔ الروم: ١ تا ٣

[3]۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، **رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی**، کتاب و سنت ڈاٹ کام، ص ٢٧

ابی بن خلف نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تین سال کے اندر رومی غالب آ گئے تو میں تمھیں سرخ اونٹ دوں گا اور اگر مغلوب رہے تو تمھیں دس اونٹ دینے ہوں گے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شرط کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن میں فِی بِضعِ سِنِین کے الفاظ آئے ہیں اور ربعی زبان بِضع کا اطلاق دس سے کم پر ہوتا ہے۔ اس لیے دس سال کے اندر کی شرط کرو۔ اور اونٹوں کی تعداد دس سے بڑھا کر ۱۰۰ کر دو۔ ۶۲۲ میں پیغمبرِ اسلام نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور ادھر ہرقل قیصر نے خاموشی کے ساتھ قسطنطنیہ سے بحر اسود کے راستے ایران پر پشت کی طرف سے حملہ کیا۔ ۶۲۳ء میں ارمینیا سے جنگی مہمات کا آغاز کیا اور دوسرے سال ۶۲۴ء میں آذر بائیجان میں گھس کر زرتشت کے مقام پر پیدائش ارمیاہ کو تباہ کر دیا۔ برائیوں کے سب سے بڑے آتش کدے کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

"قدرت کی کرشمہ سازی کہ یہی وہ سال تھا جس نے سلطنت روم کو غلبہ ملا اور مسلمانوں کو بدر کے مقام پر پہلی مرتبہ مشرکین کے مقابلے میں فیصلہ کن فتح نصیب ہوئی۔ یوں دونوں پیش گوئیاں جن کا تذکرہ سورۃ روم میں ہوا تھا۔ دس سال کی مدت ختم ہونے سے پہلے بیک وقت پوری ہو گئیں۔"۱

"یوں تھوڑے سے عرصہ میں ۶ ہجری تک نبویٰ کے مقام پر رومیوں سے ایرانیوں کو فیصلہ کن شکست دی اور اپنے مقبوضہ تمام علاقے واپس لے لیے۔ اگرچہ دونوں ممالک ایک بڑے رقبے پر حکومت کے دعویٰ دار تھے لیکن عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دونوں ممالک اندرونی خلفشار کا شکار تھے۔ جس کی وجہ سے بالعموم تمام سلطنت اور بالخصوص مقبوضہ علاقوں اور باجگدار قبائل پر ان کے اثرات کمزور پڑ گئے۔ عہد نبوی ہی عرب کے درج ذیل علاقے فارس کے زیر اثر تھے۔ یمامہ، یمن، عمان، بحرین، طائف وغیرہ"۲

فارس کے باجگزاروں سے معاہدات نبوی:

یمامہ:

1 ۔Gibbon, Decline end fall of the Roman Empire, Vol 11, P, 788, Modern Library , New York.

۲۔ ایضاً

یمامہ نجد سے ملحقہ علاقہ تھا۔ اس علاقے کے دو رئیس تھے۔ ایک کا نام ہوذہ بن علی الحنفی اور دوسرے کا نام ثمامہ بن اثال تھا۔ یمامہ تک صلح حدیبیہ سے قبل ہی اسلامی اثرات پہنچ چکے تھے کیوں کہ ثمامہ بن اثال صلح حدیبیہ سے قبل اسلام لے آئے تھے۔"[1]

"دوسرا سردار جس کا نام ہوذہ بن علی الحنفی تھا۔ یہ نصرانی تھا اور مسیحی قبیلہ بنو حنیفہ کا سردار تھا۔ یہ دوسرے قبائل کے سرداروں سے زیادہ طاقتور تھا۔ کیوں کہ اسے ایرانی حکومت کی پشت پناہی حاصل تھی۔"[2]

رئیس یمامہ ثمامہ بن اثال کے اسلام لانے کی طرف عوامی رجحان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے پیغمبر اسلام ﷺ نے ھوذہ بن علی کی طرف خط لکھا کہ

"تمھیں معلوم ہے کہ میرا دین عنقریب وہاں تک پہنچ جائے گا جہاں تک کسی انسان کے پاؤں اور جانور کے کھُر پہنچیں گے۔ اسلام قبول کر لو امان پاؤ گے اور جو سلطنت تمھارے ماتحت ہے۔ تمھیں اس میں حاکم رہنے دوں گا۔"[3]

ہوذہ بن علی نے آپ ﷺ کی دعوت کو اس لیے قبول کرنے کی شرط یہ رکھی کہ آپ ﷺ اسے اپنے اقتدار میں شریک کرلیں لیکن پیغمبر اسلام ﷺ نے اس شرط کو قبول نہ کیا۔"

"یمن عرب کے جنوب میں یہ شہر واقع تھا۔ اہم تجارتی مرکز بھی تھا اور زراعت کا متحمل ہونے کے ساتھ ساتھ سرسبز وشاداب بھی تھا۔"[4]

"یمن کی سرزمین پر عاد، عمالیق، سبا اور حمیر کی سلطنتیں قائم ہوئیں تو اہلِ حبشہ یمن پر قابض ہو گئے۔ ستر (۷۰) سال تک تخت سلطنت پر براجمان رہے۔ بعد ازاں اہلِ فارس نے یمن پر خود قبضہ کرلیا۔"[5]

---

[1]۔ معین الدین، ڈاکٹر، **باجگزار ان روم وفارس سے معاہدات**، فکر و نظر، جلد ۷۳، شمارہ ۴ ، ص ۱۱

[2]۔ **سیرت ابن ہشام**، ص:۷۴۴

[3]۔ بلاذری، احمد بن یحییٰ، **فتوح البلدان**، طبع قاہرہ، ۱۹۰۱ء، ص:۲ / ۸۷

[4]۔ **الطبقات الکبری**، ص:۱ / ۲۶۲

[5]۔ شہاب الدین یاقوت، عبد اللہ، **معجم العلوان**، بیروت، طبع ۱۹۷۷ء، ص:۵ / ۴۴۷

"ظہورِ اسلام کے وقت کسرائے ایران کی طرف سے یمن پر باذان گورنر مقرر تھا۔ کسرائے ایران نے باذان کو حکم دیا کہ وہ دو آدمیوں کو مدینے میں بھیجے جو آپ ﷺ کو کسرائے ایران کے سامنے پیش کریں۔ جب وہ مدینے آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے انھیں معجزانہ طور پر کہا کہ باذان کو خبر دوں کہ کسریٰ کو قتل کر دیا گیا ہے۔"[1]

پھر آپ ﷺ نے اہلِ یمن کے لیے۔۔۔۔۔۔۔۔ معاہداتی پیغام کے اہم نکات یہ ہیں۔

"۱۔ اہلِ یمن تم مسلمان ہو جاؤ تمھاری حکومت تمھارے پاس رہے گی۔

۲۔ مسلمان ارکان اسلام کی پابندی کریں گے جب کہ غیر مسلم کو زیر دستی ان کے مذہب سے برگشتہ نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ ملک بدری کا خوف رکھنے والے (مرد و عورت) جو مذہباً مجوسی ہیں۔ ان سے فی کس ایک دینار جزیہ لیا جائے گا۔

۴۔ اگر یہ تابع رہے تو ان کی جائیدادوں کی حفاظت کی جائے گی۔

۵۔ مظلوموں کی دادرسی کی جائے گی۔"[2]

"یہ وہ دور تھا جب ایران کو روم سے بری طرح شکست ہوئی تھی۔ ایران کے بادشاہ کو قتل کر دیا گیا تھا جس وجہ سے یمن پر ایران کا اثر کمزور پڑ گیا تھا۔"[3]

"جب اس معاہدے کی خبر دوسرے قبائل تک پہنچی تو عدل وانصاف سے بھرپور اس معاہدے کی تعمیل میں یمن اور اطراف یمن سے بہت سے وفود نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔"[4]

اہلِ عمان سے معاہدہ:

---

[1]۔https://or.mk.pedia.org

[2]۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، **الوثائق السیاسیۃ**، الطبع العربیہ، بیروت، دار النفائس، وثیقہ ۱۰۵ تا ۱۰۹

[3]۔ المودودی، ابوالاعلیٰ، **تفہیم القرآن**، ص:۳ / ۲۱۵

[4]۔ **الطبقات الکبریٰ**، ص:۱ / ۲۶۵

"یہ عرب کے جنوب مشرق کا ایک ساحلی علاقہ تھا جو دریائے یمن اور ہند کے ساحل پر مقام البحر میں واقع ہے۔ اس علاقے کی آبادی کا بڑا حصہ قبیلہ "ازر" پر مشتمل تھا۔ یہاں فارس کے لوگ آباد تھے۔ عمان پر بھی فارس کے اثرات کمزور پڑ گئے تھے۔"[1]

"ان حالات میں پیغمبرِ اسلام نے عمان کے شہزادوں (عبد اور جیفر) کے نام خطوط لکھے۔ ان دونوں کے والد کا نام جلندی تھا۔[2]

خط کا مضمون یہ تھا۔

"بسم اللہ الرحمٰنِ الرحیم

محمد بن عبد اللہ کی جانب سے جلندی کے دونوں صاحبزادوں جیفر اور عبد کے نام

اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ میں دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام لاؤ، سلامت رہو گے۔[3]

مکتوب کے اہم نکات یہ ہیں۔

"۱۔ دونوں کو اسلام کی دعوت دی گئی۔

۲۔ اسلام قبول کرنے کی صورت میں تمھیں ہی حاکم بنایا جائے گا۔

۳۔ اگر اسلام قبول نہ کیا تو تمھاری بادشاہت ختم کر دی جائے گی۔

۴۔ تمھاری زمینوں کو قبضے میں لے لیا جائے گا۔

عمر بن العاص رضی اللہ عنہ بحیثیت قاصد ان کے پاس گئے ان دونوں کے ساتھ طویل مکالماتی گفتگو کے بعد انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی یوں ان دونوں بھائیوں نے دیگر دوسرے قبائل سمیت اسلام قبول کر لیا اور اسلامی وفاق میں شامل ہو گئے۔"[4]

اہلِ بحرین:

---

[1]۔ **رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی**، ص:۲۲۴

[2]۔ مبارک پوری، صفی الرحمٰن، **الرحیق المختوم**، المکتبہ الاسلامیہ، طباعت ۲۰۰۰ء، شیش محل روڈ، لاہور، پاکستان، ص:۴۸۹

[3]۔ ایضاً

[4]۔ الرحیق المختوم، ص:۴۹۰ (ایضاً)

"بحرین بھی فارس کے زیر اثر تھا۔ یہاں کا حکمران منذر بن ساویٰ تھا۔ جو عربی النسل تھا۔ یہ فارس کے بادشاہ کا خراج گزار تھا۔"[1]

پیغمبرِ اسلام نے منذر بن ساویٰ کو خط لکھا اور اسے اسلام کی دعوت دی۔ علا بن الحضرمی نے قاصد کے فرائض انجام دیے۔ جواب میں منذر نے رسول اللہ ﷺ کو لکھا کہ:

"اما بعد اے اللہ کے رسول میں نے اہلِ بحرین کو آپ ﷺ کا مکتوب پڑھ کر سنادیا ہے۔ بعض نے اس پیغام کو پسند کیا ہے اور بعض نے انکار کیا ہے۔ میری سلطنت میں، یہود اور مجوس بھی ہیں لہٰذا آپ ﷺ اس بابت اپنا حکم صادر فرمائیے۔"[2]

جوابی مکتوب کے اہم نکات یہ تھے۔

"۱۔ جو شخص بھلائی کرے گا وہ اپنا ہی فائدہ کرے گا۔

۲۔ جو اسلام قبول کرے گا وہ خیر خواہی پر ہو گا۔

۳۔ جو یہودیت اور مجوسیت پر ہیں ان کو مجبور نہیں کیا جائے اسلام قبول کرنے کے بارے میں

۴۔ لیکن ان پر جزیہ ہو گا۔

۵۔ جو میرے قاصدوں کے حکم کی پیروی کرے گا گویا وہ میری پیروی کرے گا۔"[3]

اہلِ طائف سے معاہدہ:

"پیغمبرِ اسلام نے فتح مکہ کے بعد جب طائف کی طرف روانگی فرمائی تو اہلِ طائف نے اسلامی لشکر کو اپنے شہر کی طرف آتے دیکھا تو اپنے شہر کی فصیل کے سارے دروازے مضبوطی سے بند کر دیے۔ یہ ایک دوہری فصیل تھی۔ جس کو پار کرنا یا توڑنا ایک مشکل کام تھا۔ بعد ازاں طویل محاصرے کے بعد طائف فتح کیے بغیر ہی پیغمبرِ اسلام واپس تشریف لے آگئے۔ لیکن اہلِ طائف کو اپنی کمزوری اور اسلامی ریاست کی طاقت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ ایک وفد لے کر مدینہ پہنچے اور اسلام کی بالادستی قبول کر لی۔"[1]

---

[1]۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی کے عربی ایرانی تعلقات، **معارف (مجلہ)** اعظم گڑھ، شمارہ ۵۰، (۱۹۴۲) ص: ۶۱

[2]۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص: ۴۸۷

[3]۔ ایضاً: ص ۴۸۸

معاہداتی شرائط کے اہم نکات:

"۱۔ ہمیں نماز سے مستثنیٰ کیا جائے۔

۲۔ زکوٰۃ اور جہاد سے بھی مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

۳۔ ہمارا قدیم بت خانہ نہ توڑا جائے۔

۴۔ زنا سے منع نہ کیا جائے۔

۵۔ سود اور شراب کی ممانعت ختم کر جائے۔

۶۔ طائف کو مکہ کی طرح حرم قرار دیا جائے۔"[۲]

پیغمبرِ اسلام نے ان کے غلط مطالبات ماننے سے انکار کر دیا لیکن چند امور میں گنجائش دی گئی۔ جن کی استثنائی صورتیں یہ ہیں۔

"۱۔ فوجی کاروائیوں میں مسلمانوں کا ساتھ دینے سے ان کو استثنیٰ دے دی۔

۲۔ سود کے حوالے سے قبل مدت (آنے والے دنوں میں عُکاظ میلے کے انعقاد تک) چھوٹ دی گئی۔

۳۔ بت خانوں میں موجود بتوں کو تم مت توڑو ہمارے آدمی انھیں توڑیں گے۔

۴۔ مکہ کی طرح طائف کو حرم قرار دینے کا مطالبہ بغیر تبدیلی کے تسلیم کر لیا گیا۔"[۳]

پیغمبرِ اسلام کی حکیمانہ اسلوب اور فہم تدبیر کے سبب اہلِ طائف غلط مطالبات منوانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اس معاہدہ کے ثمراتی پہلو درج ذیل ہیں۔

"۱۔ اہلِ طائف کو مکمل حقوق دیے گئے۔

۲۔ طائف کے انتظامی کنٹرول مکمل طور پر انھیں دیا گیا۔

۳۔ انھی میں سے ایک کو امیر مقرر کیا گیا۔"

۴۔ تجارتی اور ثقافتی اعتبار سے مکمل آزادی دی گئی۔

---

[۱]۔ کرم شاہ، الازھری، **ضیاء النبی**، ضیاء القرآن پبلیشرز لاہور، ص ۴/ ۵۲۴

[۲]۔ منصور پوری، قاضی سلیمان، **رحمۃ اللعالمین**، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ص: ۱/ ۴۸۷ تا ۴۸۸

[۳]۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، مجموعہ **الوثائق السیاسیۃ** وثیقہ نمبر ۱۸۱، ص: ۲۸۶

فصل دوم

معاہدات نبوی کے سیاسی اور سماجی اثرات

اسلام کا سیاسی اور سماجی نقطہ نظر

اسلام کا سیاسی نظام:

اسلام کا امتیازی وصف اس کی جامعیت اور ہمہ گیریت ہے۔ تمام شعبوں میں انسان کو یہ دعوت دی ہے کہ وہ اسلام کے احکام پر عمل پیرا ہو۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾[1]

ترجمہ: مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔

تاکہ اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر دارین کی کامیابی حاصل کر سکیں اسلام دوسرے مسائل میں بھی ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام کے دو بنیادی تصورات ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

ا۔ حاکمیت اللہ کا حق ہے کیونکہ وہ ہم سب کا خالق ہے۔

جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾[2]

ترجمہ: نہیں ہے حکم (کسی کا) سوائے اللہ کے۔

"گویا اللہ ہمارا خالق ہے۔ اسی لیے وہی اس لائق ہے کہ اس کے حکم کی تعمیل کی جائے۔ کیونکہ ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔"[3]

﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾[4]

ترجمہ: اسی کے لیے خاص ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔

---

[1]۔ البقرہ: ۲۰۸

[2]۔ الانعام: ۵۷

[3]۔ ضیاء القرآن، ص: ۱/۶۲۶

[4]۔ الاعراف: ۵۴

اسلام کی نظر میں قانون کا اصل سر چشمہ اللہ کی ذات ہے۔ہاں جن احکام کے بارے میں قرآن و سنت میں ہدایت نہیں ملتی یا جن احکام کا تعلق ملک کے انتظامی امور سے ہے۔ ان میں انسان کے لیے قانون سازی کا اختیار موجود ہے۔لیکن وہ قوانینِ شریعت کے بنیادی اصول و ضوابط کے موافق ہوں۔

دوسرا اسلامی حکومت کا بنیادی مقصد نیکیوں کی ترویج اور برائیوں کا سدِ باب ہے۔

جیسے کہ قرآن میں ارشاد ہوا۔

﴿الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾[1]

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

علامہ مودودی تفہیم القرآن میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

"اس آیت نے اسلامی حکومت کے نصب العین اور اس کے کارکنوں کارفرماان کی خصوصیات کا جوہر نکال کر رکھ دیا۔نیکی ترویج اور برائی کے سدِ باب میں حکمران کے لیے بنیادی اہمیت عدل و انصاف قائم کرنے کی ہے۔"[2]

چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا گیا کہ انھیں خلیفہ اس لیے بنایا جارہا ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان انصاف کریں۔

﴿دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾[3]

ترجمہ: اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف کے فیصلے کیا کرو۔

---

[1] ۔الحج:۴۱

[2] ۔المودودی،ابوالاعلی سید، **تفہیم القران**،مکتبہ تعمیر انسانیت،ص ۴/۲۳۴

[3] ۔ص:۲۶

"رسول اللہ ﷺ نے اس کا عملی نمونہ پیش کیا جب عرب کے ایک معزز گھرانے کی عورت کے ہاتھ کاٹنے کا حکم جاری کیا تو بعض لوگوں نے آپ ﷺ سے اس عورت کے معزز قبیلہ کی شناخت کی وجہ سے سزا معافی کی سفارش کی تو پیغمبرِ اسلام نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

((عَنِ الزهری عَنْ عُرْوة، عَنْ عَائشَة رَضِی الله عنها عَنْ اَنَّ اِمْرَاة مِنْ بَنی مَخْزُوْمٍ سَرْقَتْ، فَقَالُوْا، مَنْ یکَلِّمُ فِیها النَّبِیَّ صَلی الله عَلیه وَ سَلم فَلَمْ یجْتَرِی اَحَدٌ اَنْ یکلِّمه فَعکَلَّمه اُسَامة ابنْ زَیدٍ، فَقَالَ اِنَّ بَنیْ اِسرائیلَ کَانَ اِذَا سَرَقَ فِیهِمْ الشَّرِیْفُ تَرَکُوه وَ اِذا سَرَقَ فِیهِمُ الضَّعِیفُ قَطَعُوْه، لَوْ کَانَتْ فَاطِمَة لَقَطَعْت یدها))[1]

ترجمہ: زہری روایت کرتے ہیں وہ عروہ سے اور (عروہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ بنی مخذوم کی ایک عورت نے چوری کر لی تھی۔ قریش نے (اپنی مجلس میں) سوچا کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں اس عورت کی سفارش کے لیے کون جا سکتا ہے؟ ان میں سے کوئی اس کی جرات نہیں کر سکا۔ آخر اسامہ بن زید نے اس (بابت) بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں یہ (دستور تھا کہ) جب کوئی شریف آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس کے ہاتھ کاٹتے۔ اگر آج فاطمہ رضی اللہ عنہا نے چوری کی ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔

اسلام کے نظامِ سیاست میں حکومت کا بنیادی مقصد احکام خداوندی کی تفسیر، عدل قائم کرنا، ظلم کا سدِ باب، نیکیوں کی ترویج اور برائیوں کو مٹانا ہے۔

اس لیے اللہ نے پیغمبرِ اسلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾[2]

ترجمہ: اور اگر فیصلہ کرنا چاہو تو انصاف کا فیصلہ کرنا کہ خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اسلام میں سیاسی نظام کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ شریعت کے بہت سے احکام کی تنفیذ اسلامی حکومت کے وجود پر موقوف ہے۔ جیسے حدود و تعزیرات، نظامِ قضا، احتساب، دفع مظالم، مذہبی اقلیتوں کا تحفظ بین الاقوامی تعلقات وغیرہ بلکہ عبادات میں بھی حکومت کو عمل دخل ہے جیسے جمع و عیدین کی نمازوں کی امامت وغیرہ، بلکہ خاندانی زندگی میں بھی اسلامی حکومت کا عمل دخل ہے جیسے تنفیذِ نکاح، تنفیذ خلع وغیرہ۔[3]

---

[1] ۔ محمد بن اسماعیل، **الصحیح البخاری**، کتاب المناقب، باب اسامہ بن زید، حدیث نمبر ۳۷۳۳

[2] ۔ المائدہ: ۴۲

[3] ۔ اسلام کا سیاسی نظام، ص: ۲۰

اسلام کا سیاسی نظام دراصل اس تعلق کی حفاظت کرتا ہے جو تعلق باللہ اور تعلق بالناس سے موسوم ہے۔ قرآن نے اسلام کے سیاسی نظام کے لیے لفظ "خلیفہ" کی اصطلاح استعمال کی ہے جس کا مصدر خلافت ہے۔

جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی بابت ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾[1]

ترجمہ: اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں

(اپنا) نائب بنانے والا ہوں۔

"گویا خلیفہ کی ذمہ اللہ کے نزدیک اور اس کی مخلوق کے حقوق و فرائض کے سلسلے میں جو فرائض، واجبات، مستحبات، اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ان کا مجموعہ نام خلافت ہے۔ خلیفہ وہ ہوتا ہے جو کسی مِلک (اختیار) میں مالک کی طرف سے دیئے گئے اختیارات کو نائب کی حیثیت سے استعمال کرتا ہے۔ وہ اپنے منشاء کے مطابق کام کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کا کام مالک کی منشا کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنی مرضی کرنے لگے یا کسی دوسرے مالک کو تسلیم کر کے اس کی مرضی کی پیروی کرنے لگے اور اس کے احکام پر عمل کریں تو یہ سب غداری اور بغاوت ہو گی۔"[2]

"سربراہِ مملکت کے لیے اسلام نے بادشاہ، سلطان اور چیئرپرسن کے کلمات پسند نہیں کیے کیونکہ ان الفاظ میں خودسری کا پہلو نمایاں ہے بلکہ خلیفہ کا لفظ استعمال کیا جس کا معنیٰ نائب اور قائم مقام کے ہیں۔ گویا بحیثیت نائب اسے اپنے ملک کے احکام کی پیروی لازم آتی ہے۔ یہ وہ فرق ہے جو دنیا کے دوسرے نظاموں اور اسلام کے نظام سیاست میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔"[3]

اسلام کا سماجی نقطہ نظر:

"سماج کے معنیٰ "معاشرے" کے ہیں۔"[4]

"سماج کے لیے انگریزی میں "Socity" کا لفظ بولا جاتا ہے۔"[5]

"معاشرے کے معنیٰ "مل جل کر رہنے" کے ہیں۔"[1]

---

[1] ۔البقرۃ:۳۰

[2] ۔المودودی، سید، ابو الاعلیٰ، **تفہیم القرآن**، طبع ادارہ ترجمان القرآن، ص:۱/ ۶۲

[3] ۔الازھری، محمد کرم شاہ، پیر، **ضیاء القرآن**، ص:۴/ ۲۳۹

[4] ۔فیروز اللغات، ص۳۱۲

[5] -https.ur. gl.sbe.com,**15 april 2021,13:33pm**

گویا مل جل کر لوگوں کا رہنا معاشرہ کہلاتا ہے۔ لفظ "معاشرہ" کے لیے لفظ سماج بھی بولا جاتا ہے۔

"اسلام کے سماجی نظام سے مراد یہ ہے کہ وہ کون سی سماجی اقدار (Social Values) ہیں۔ جنھیں اسلام پسند کرتا ہے اور سماج میں ان کی تنفیذ اور ترویج چاہتا ہے۔ اور اس کے برعکس وہ کون سی سماجی برائیاں ہیں جن کے سدِباب کا اسلام تقاضا کرتا ہے۔"[2]

اسلام کی سماجی اقدار (Social Values):

"۱۔ اللہ کی عبادت کا حکم (شرک کی ممانعت

۲۔ والدین سے اچھے برتاؤ کا حکم

۳۔ رشتہ دار اور اقرباء کے حقوق کا خیال رکھنا

۴۔ یتیم، مساکین، غرباء اور مسافر کے حقوق کا تحفظ

۵۔ فضول خرچی سے بچنے کی تاکید

۶۔ قتلِ اولاد کی ممانعت

۷۔ زنا سے بچنے کی تاکید

۸۔ یتیم کے مال کا حکم

۹۔ ایفائے عہد کی تاکید

۱۰۔ ناپ تول کو پورا کرنے کا حکم

۱۱۔ توہمات کی روک تھام

۱۲۔ توحید فی الالوہیت"[3]

(مذکورہ بالا احکام قرآن پاک کی سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۲۳ تا ۳۹ سے لیے گئے ہیں۔)

درج بالا نکات کی تفصیل یہ ہے۔

محمد کرم شاہ الازہری اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے علامہ قرطبی کے حوالے سے لفظ "قضیٰ" کے کئی معانی بیان کرتے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

"۱۔ قضیٰ بمعنیٰ خلق

۲۔ قضیٰ بمعنیٰ حکم

---

[1]۔ المنجد عربی اردو، ص:۱۵۵

[2]۔ ندوی، محمد شمشاد مولانا، **اصلاح معاشرہ اور اسلام**، ناشر الھدایہ اسلامک ریسرچ سینٹر جے پور، ص ۲۲

[3]۔ الازہری، پیر محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**، ناشر ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ص:۲/ ۶۵۰

۳۔ قضیٰ بمعنیٰ عہد

۴۔ قضیٰ بمعنیٰ آزاد

۱۔ قضیٰ جب خلق کے معنی میں ہوتے فقضاص سبع سمٰوات

۲۔ جب حکم کے معنیٰ میں ہو، فاقض ماانت قاض (توفیصل کر جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے۔)

۳۔ جب عہد کے معنیٰ میں ہو، اِذاقضینا الی موسیٰ الامر (جب موسیٰ سے اس کے امر کا عہد لیا)

۴۔ جب آزاد کے معنی میں ہو، جیسے اِذا قضیٰ امراً (جب اللہ کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے۔)

۵۔ جب قضیٰ فَرغَ کے ک معنیی میں ہو، جیسے فِذا قضیتُم مَنا سِکُم (جب تم مناسک حج سے فارغ ہو جاؤ) مذکورہ آیت وقضیٰ بک الا تعبدوا الا ایاہ میں لفظ "قضیٰ" حکم کے معنیٰ میں آیا ہے۔ یعنی احکم الحاکمین نے یہ حکم دیا ہے کہ "وحدہ لاشریک" کے سوا کسی کی عبادت مت کرو۔"[1]

گویا اسلامی تمدن کے بنیادی اصولوں میں سے پہلا اصول اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہے۔ یہ وہ اصول ہے جس کی وجہ سے اسلامی سماج یا معاشرہ کو اقوامِ عالم میں نمایاں مقام حاصل ہے۔

والدین سے حسنِ سلوک:

﴿ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا (٢٣) وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾[2]

ترجمہ: اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُن کو اُف تک نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا اور اُن سے بات ادب کے ساتھ کرنا۔" اور جب ان سے بات کرو تو بڑی تعظیم سے بات کرو۔ اور جھکا دو ان کے لیے تواضع اور انکسار کے پُر رحمت (ومحبت) سے اور عرض کرو کہ اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انھوں نے محبت (وپیار) سے مجھے پالا تھا۔"

اگر اولاد کو والدین کی خدمت کا موقع مل جائے تو اسے غنیمت سمجھنا چاہیے۔ ان کی آسائش اور سکون کا خیال رکھنا چاہیے۔ ان سے نرم مزاجی سے پیش آنا چاہیے۔ انتہائی تواضع اور انکساری سے ان کے ساتھ پیش آنا چاہے۔ ایسی تواضع جس سے رحمت و محبت کی خوشبو آئے۔ یہ سب کچھ کرنے کے باوجود والدین کے احسانات کا بدلہ

---

[1] ۔ ضیاء القرآن: ۲/ ۶۵۰

[2] ۔ بنی اسرائیل: ۲۴،۲۳

نہیں ہو سکتا۔ جو والدین نے اولاد پر کییے ہوے ت ہیں۔ ان کا حق سپاس ادا کرنے کی اگر کوئی صورت ہے تو یہ ہے کہ ہم تو بارگاہِ خداوندی میں عجز و نیاز سے ان کی مغفرت اور بخشش کے لیے دعائیں مانگتے رہیں اور اللہ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ

"اے مولا کریم انھوں نے مجھے پالا، میری پرورش کی، میرے لیے تکلیفیں برداشت کیں، میں ان کا صلہ دینے سے قاصر ہوں، تو ان پر اپنی رحمت کشادہ فرما جس طرح انھوں نے میری بے بسی کی حالت میں مجھ پر اپنی شفقتوں اور محبتوں کی انتہا کر دی اسی طرح تو بھی ان پر رحمت بے پایاں فرما۔"[1]

ان آیاتِ مقدسہ میں والدین کے حقوق اور ان سے حسنِ سلوک کی اہمیت کو جس طرح اجاگر کیا گیا ہے اس کے بعد کوئی بدقسمت ہی عملی زندگی میں ان احکام سے انحراف کر سکتا ہے۔

از روئے حدیث:

((عَن انس بن مالک عَنِ النبی ﷺ اَکبر الکبائِر۔ ۔ ۔۔ ۔ اَو قَالَ وَ شَهَادَ اة الزُورِ))[2]

ترجمہ: انس بن مالک نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، کسی کی ناحق جان لینا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹ بولنا ہیں۔ یا فرمایا جھوٹی گواہی دینا۔

((عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ اَنَّ رَجُلاً سَالل النبی ﷺ اَیُ الاعمال اَفضل؟ قال ۔ ۔ ۔ ۔ ثُمَّ الجهادُ فِی سبیل اللہ))[3]

ترجمہ: ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھ اکہ کون سا عمل سب سے زیادہ افضل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے وقت پر نماز پڑھنا، والدین سے نیک معاملہ کرنا، پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔

ان واضح تعلیمات اور ارشادات کے بعد عصرِ حاضر میں یورپ و امریکہ کا جائزہ لیا جائے تو ایسی شاذو نادر اولاد ہی ملے گی جو والدین کا سہارا بنتی ہو۔ یہ بیماری ہمارے معاشرے میں بھی پھیل رہی ہے جس کی وجہ سے والدین

---

[1] ۔

[2] ۔ صحیح بخاری، حدیث: ۶۸۷۱

[3] ۔ بخاری، حدیث: ۷۵۳۴

بے سکونی اور بے چینی کا شکار ہیں۔اس کے سدِباب کے لیے اسلامی تعلیمات سے راہنمائی حاصل کرنا از حد ضروری ہے۔

رشتہ دار اور اقرباء کے حقوق کا خیال:

انسان کے کے حسنِ سلوک کے مستحق صرف والدین ہی نہیں بلکہ اسلام دوسرے رشتہ داروں سے بھی حسب مراتب حسنِ سلوک کا تقاضا کرتا ہے۔جیسے قرآن میں ارشاد ہے۔

﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ﴾[1]

ترجمہ: اور دے قرابت والے کو اس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو۔

مفتی محمد شفیع صاحب اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

"قرات داروں، مساکین اور مسافروں کو ان کا حق دیا جائے۔ان کے ساتھ حسنِ سلوک میں یہ بھی عمدہ سلوک ہے کہ جب وہ مالی امداد کے طالب ہوں تو بخوشی ان کی مدد کی جائے۔"[2]

گویا ہر شخص پر اس کی استطاعت کے مطابق عام رشتہ داروں کا بھی حق ہے۔

فضول خرچی سے بچنے کی تاکید:

امداد مالی اور حسنِ معاشرت کے تاکیدی حکم کے ساتھ ہی فضول خرچی سے روکا جا رہا ہے تاکہ انسان پریشانی اور تنگدستی سے بچ سکے کیوں کہ قرآن کی تعلیمات کا امتیازی وصف یہی ہے کہ افراط و تفریط سے بچنے کی تاکید کی ہے۔

جیسے قرآن میں ارشاد ہے

﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا﴾[3]

ترجمہ: فضول خرچی نہ کیا کرو۔

---

[1] ۔بنی اسرائیل:۲۶

[2] ۔محمد شفیع، مفتی اعظم، **معارف القرآن**، مکتبہ معارف القرآن، ج:۵، ص:۴۷۰

[3] ۔بنی اسرائیل:۲۶

دوسری آیت میں فرمایا:

﴿إِنَّ المبذرين كانوٓا اِخوان الشيٰطينَ وَكانَ الشيٰطين لِربِّه كفُورً﴾[1]

ترجمہ: بلاشبہ مالوں کو بے جا اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔

مذکورہ آیات مبارکہ میں بے جا مال خرچ کرنے سے منع فرمایا۔ سخاوت تو شریعت اسلامی میں محمود ہے لیکنک فضول خرچی کرنا اسلام میں ممنوع ہے۔ کیوں کہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائیں ہیں۔ یعنی وہ اللہ کی نافرمانی کرنے میں شیطان کی طرح ہیں۔

شیطان خدا کا ناشکرا ہے اور لوگ بھی ناشکرے ہوتے ہیں جو اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے فضول خرچی کرتے ہیں اور جب مال ختم ہو جاتا ہے تو اللہ کی ناشکری کرتے ہیں۔

"ہمیں چاہیے کہ مال کو میانہ روی سے خرچ کریں کیوں کہ نعمتوں کی قدردانی یہ ہے کہ ہم ان نعمتوں کو خواہ مخواہ مال ومتاع، عزت وصحت پر منعم کے حکم کے مطابق استعمال کریں۔"[2]

قتلِ اولاد کی ممانعت:

اسلام میں اولاد کے قتل سے منع فرمایا ہے۔ گویا رزق کی تنگی کی وجہ سے اولاد کا قتل ممنوع ہے۔ جیسے قرآن نے فرمایا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا﴾[3]

ترجمہ: اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا۔ (کیونکہ) ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ کچھ
شک نہیں کہ ان کا مار ڈالنا بڑا سخت گناہ ہے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں "صاحبِ معارف القرآن" لکھتے ہیں کہ

---

[1] ۔بنی اسرائیل:۲۷

[2] ۔عاشق الٰہی، مولانا مفتی محمد، **انوار القرآن فی کشفِ اسرار القرآن**، مکتبہ ادارہ تعلیفات الشرافیہ، ملتان، ص:۵/ ۳۳۶

[3] ۔بنی اسرائیل:۲۳

"اولاد کا قتل بڑا گناہ ہے۔ عرب کے مشرک اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے جس کی یہ وجوہات تھیں۔ بعض عار (شرمندگی) کی وجہ سے قتل کر دیتے تھے۔ بعض اس خیال کی وجہ سے بچیوں کا قتل کرتے تھے کہ ان کو کہاں سے کھلائیں گے۔ قرآن نے اس جرم کی بیخ کنی کے لیے واضح حکم فرمادیا کہ اولاد کو رزق کی تنگی کی وجہ سے قتل مت کرو۔ ہم ہی انھیں بھی دیتے ہیں اور تمھیں بھی۔ اس میں تمھارا ذاتی کمال کا کوئی عمل دخل نہیں۔"[1]

عصرِ حاضر میں بھی انسانی حقوق کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ اس تحریک کا مرکزی نقطہ نظر یہی ہے کہ معاش کے وسائل پر بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے۔ اس لیے ضبطِ تولید کے ذریعے آبادی کو کم کیا جائے۔ اس فکر اور خوف کے سدِ باب کے لیے قرآن نے واضح بیان کر دیا کہ

﴿ نَحنُ نَرزقکُم وَ اِیَّاکُم ﴾[2]

ترجمہ: ہم انھیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمھیں بھی دیں گے۔

اس لیے اس بابت پریشان ہونا کسی انسان کو زیب نہیں دیتا۔ اگرچہ عصرِ حاضر میں بعض صورتوں میں ڈاکٹر حضرات نے اور فقہاء نے بعض معاملات میں ضبطِ تولید کی اجازت دی ہے۔ اس پر تفصیل درکار ہے جو میرا موضوع نہیں۔

زنا کی ممانعت:

زنا ایسی خرابی تھی جس میں سابقہ اقوام مبتلا تھیں اور اب بھی معاشرہ اس برائی کی لپیٹ میں ہے۔ اس فعل قبیح کی قباحت کی صرف دو جملوں میں بیان فرمادی۔ ارشاد خداوندی ہے۔

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا ۖ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلً﴾[3]

ترجمہ: اور زنا کے بھی پاس نہ جانا کہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

"مذکورہ آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ زنا کرو بلکہ یہ فرمایا کہ زنا کے قریب نہ جاؤ گویا ایسا کوئی کام نہ کرو جو زنا کا محرک ہو یا زنا کا سبب بنے۔ جیسے اجنبی عورتوں سے تعلق پیدا کرنا، ان سے خلوت میں

---

[1] ۔ ادریس کاندھلوی، شیخ الحدیث، **معارف القرآن**، مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد، ص: ۴/ ۴۷۸

[2] ۔ بنی اسرائیل: ۲۳

[3] ۔ بنی اسرائیل: ۳۲

ملاقات کرنا، ان سے ہاتھ ملانا اور دیگر سماجی معاملات میں اختلاط کرنا یہ تمام امور زنا کا سبب بنتے ہیں۔ اسی لیے اسلام نے ان سے منع فرمایا جب کہ اس کے برعکس مغرب کی تہذیب ان امور کی دلدادہ ہے جس کی وجہ سے مغربی معاشرے میں زنا عام اور کثرت سے ہے۔"[1]

---

[1] ۔ غلام رسول سعیدی، **تبیان القرآن**، فرید بک سٹال، ص:۶/ ۷۰۹

قتل ناحق کی ممانعت:

اسلام کسی انسان کو ناحق قتل کرنے کی ممانعت کرتا ہے۔ انسانی جان کا احترام لازم ہے۔ انسانی تمدن کا یہی جزاور اساس ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾[1]

ترجمہ: اور جس کا جاندار کا مارنا خدا نے حرام کیا ہے اسے قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر (یعنی بفتویٰ شریعت)۔

شیخ الحدیث علامہ ادریس کاندھلوی صاحب اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

"تین صورتوں کے علاوہ مسلمان کا قتل کرنا حرام ہے۔

۱۔ قاتل کو قتل کی سزا میں بطور قصاص قتل کرنا۔

۲۔ زانی کو حد زنا میں قتل کرنا (جب کہ وہ زناکار شادی شدہ ہو)

۳۔ مرتد ہو جانے والے کو ارتداد کی سزا میں قتل کرنا (جب کہ اس پر اسلام پیش کیا اور وہ قبول نہ کرے)"

آیت کے اگلے حصے میں مزید فرمایا۔

﴿وَمَن قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِف فِّي الْقَتْلِ ۖ إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا﴾[2]

ترجمہ: اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے (کہ ظالم قاتل سے بدلہ لے) تو اس کو چاہیئے کہ قتل (کے قصاص) میں زیادتی نہ کرے کہ وہ منصور و فتحیاب ہے۔

"مذکورہ حکم سے مراد یہ ہے کہ مقتول کو اختیار ہے کہ چاہے قاتل سے قصاص لے لے یا دیت لے لے یا معاف کر دے لیکنک وارث کو قتل میں زیادتی نہیں کرنی چاہیے یعنی ایک کے بدلے دو قتل نہ کرے، قاتل کی لاش مثلہ نہ کرے غیر قاتل کو قتل نہ کرے۔ مزید یہ کہ مظلوم کی اللہ

---

[1] ۔بنی اسرائیل: ۳۳

[2] ۔بنی سرائیل: ۳۳

کی طرف سے مدد ہوتی ہے اور حکام حکومت کو بھی حکم ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مظلوم کا حق دلائیں، رشوت اور سفارش سے کسی مظلوم کے دعوے کو خارج نہ کریں۔"[1]

مالِ یتیم کا حکم:

یتیموں کے مال کی حفاظت اور اس کے استعمال کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ

﴿وَلَا تَقرِبُوا مَال - - - حتیٰ یَبلُغ اَشُدَّہ﴾[2]

ترجمہ: یتیم کے مال کے قریب مت جاؤ مگر اچھے طریقے سے جو مستحسن ہو۔ یہاں تک کہ وہ سمجھداری کی عمر کو پہنچے۔

دوسری جگہ فرمایا "یہاں تک کہ وہ اپنی بلوغت کو پہنچے۔"

﴿وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ ۖ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ ۖ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا﴾[3]

ترجمہ: اور یتیموں کا مال (جو تمہاری تحویل میں ہو) ان کے حوالے کر دو اور ان کے پاکیزہ (اور عمدہ) مال کو (اپنے ناقص اور) برے مال سے نہ بدلو۔ اور نہ ان کا مال اپنے مال میں ملا کر کھاؤ۔ کہ یہ بڑا سخت گناہ ہے۔

یتیم کی کفالت کے چند فوائد

"۱۔ جنت میں رسول اللہ ﷺ کا قرب حاصل ہو گا۔

۲۔ اپنے اقرباء میں سے کیس یتیم کی کفالت پر دگنا اجر ہے۔ (اَجرُ الصدقَۃِ وَ اَجرُ القُرابِۃَ)

۳۔ یتیم کی کفالت کرنے والے کے مال میں اللہ برکت ڈال دیتا ہے۔

۴۔ یتیم کی کفالت کرنے والا اور اس پر اپنا مال خرچ کرنے والا، پاک طبیعت اور صاف فطرت والا ہوتا ہے۔"[4]

---

[1] ۔ادریس کاندھلوی، شیخ الحدیث، **معارف القرآن**، مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد، ص:۴/ ۴۷۹

[2] ۔بنی اسرائیل:۳۴

[3] ۔النساء:۲

[4] ۔عبداللہ بن حُمید، صالح امام وخطیب الحرم المکی، **نضرۃ النعیم فی مکارم الاخلاق الرسول الکریم**، دارالوسیلہ المملکۃ العربیہ السعودیہ، ص:۸/ ۳۲۶۴

ایفائے عہد کی تاکید:

ایفائے عہد بھی سماجی نظام کی ایک اعلیٰ صفت ہے۔ انفرادی اور اجتماعی معاملات میں ایفائے عہد کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولاً﴾[1]

ترجمہ: عہد کو پورا کرو بے شک عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

"عہد کے بارے میں اللہ کے ہاں جواب دہی دینی ہوگی۔ عہد پورا کیا ہے یا نہیں کیا۔ گویا وعدہ کو پورا کرنے والا شخص اچھا اور قابلِ اعتماد آدمی شمار ہوتا ہے۔"[2]

(ایفائے عہد کے موضوع پر سابقہ تفصیل ہو چکی ہے۔)

ناپ تول میں کمی کی ممانعت:

﴿وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾[3]

ترجمہ: اور جب (کوئی چیز) ناپ کر دینے لگو تو پیمانہ پورا بھرا کرو اور (جب تول کر دو تو) ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو۔ یہ بہت اچھی بات اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت بہتر ہے۔

علامہ مودودی اس آیت کے ضمن لکھتے ہیں کہ

"یہ ہدایت صرف افراد کے باہمی معاملات تک محدود نہ رہی بلکہ اسلامی حکومت کے قیام کے بعد یہ حکومت کے فرائض میں داخل کی گئی کہ وہ منڈیوں اور بازاروں اوزان اور پیمانوں کی نگرانی کرے، اس ذمہ داری کے سبب بے ایمانیوں اور حق تلفیوں کا سدِباب ممکن ہے۔ پورا ناپ تول کا دنیاوی فائدہ یہ ہے کہ بائع اور خریدار ایک دوسرے پر اعتماد کریں گے اور تجارت کو فروغ ملے گا اور آخرت میں انجام کی بھلائی کا دارومدار ایمان اور خدا ترسی پر ہے۔"[4]

---

[1] ۔بنی اسرائیل:۳۴

[2] ۔متین طارق، **معاشرۃ النبی ﷺ**، طبع اول، مکتبہ تعمیرِ انسانیت، لاہور، پاکستان، ص:۲۹۵

[3] ۔بنی اسرائیل:۳۵

[4] ۔بنی اسرائیل:۳۵

وہم وگمان کی پیروی کی ممانعت

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾[1]

ترجمہ: اور (اے بندے) جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ۔ کہ کان اور آنکھ اور دل ان سب (جوارح) سے ضرور باز پرس ہو گی۔

"لوگ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں وہم و گمان کے بجائے "علم" کی پیروی کریں۔ اسلامی معاشرے میں اس منشاء کی ترجمانی وسیع پیمانے پر اخلاق، قانون، سیاست اور سماج اور نظامِ تعلیم پر کی گئی ہے۔ بے شمار ان خرابیوں سے فکر و عمل کو محفوظ کر دیا گیا ہے جو گمان کی پیروی کے نتیجے میں رونما ہوتی ہیں۔"[2]

گویا اسلام کے سماجی نظام میں ظن و تخمین کے پیروکاروں کی مذمت کی گئی ہے۔

غرور و تکبر کی ممانعت:

یہ ہدایت انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں پر یکساں جاری ہے۔

جیسے ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ﴾[3]

ترجمہ: زمین پر اکڑ کر مت چلو۔

گویا ایک بُرے انداز کی ممانعت کی گئی ہے کہ اس انداز سے خدا کی زمین پر مت چلو، تم نہ زمین پھاڑ سکتے ہو اور نہ پہاڑوں کی بلندی تک پہنچ سکتے ہو۔ گویا عصرِ حاضر میں بھی ہمیں اس سے ہدایت لیتے ہوئے اپنے انداز اور اطوار کو بدلنا چاہیے کیوں کہ اس عمل کی وجہ سے معاشرے میں بے چینی اور ناشکری کی فضا قائم ہوتی ہے۔ جو اسلامی معاشرے کے تمدن کے لیے نقصان دہ ہے۔

---

[1] ۔بنی اسرائیل:۳۶

[2] ۔صدیقی، عرفان حسن، **اسلام کی اخلاقی تعلیمات**، اشاعت ۱۹۹۴، ناشر اسلامک پبلیکیشنز، ص ۷۵

[3] ۔بنی اسرائیل:۳۷

توحید فی الالوہیت:

انسان کا فکری ارتقاء ہو یا روحانی ترقی ان سب کی معراج یہ ہے کہ انسان لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کی حقیقت کو پالے۔ گویا یہ سارے امر و نواہی اور اس بحث کا مرکزی نقطہ یہی ہے کہ

"وَلَا تَجعل مع اللهِ اِلٰهاً اٰخَرَ" (القرآن)

ترجمہ: اور اللہ کے ساتھ کسی کو معبود نہ بنالینا۔

"آغاز شرک فی العبادت کی نفی سے ہوا تھا اور اختتام مشرک فی الالوہیت کی نفی پر ہوا ہے۔"[1]

گویا مذکورہ آیات میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اسلامی معاشرے اور سماج کی اقدار کو بیان کیا گیا ہے کہ اسلام سماج اور معاشرے کی اصلاح اور ترقی کے لیے عملی نقشہ پیش کرتا ہے اور برائیوں کے سدِ باب کے لیے کیا احکام بیان کرتا ہے۔ کیونکہ ایک اسلامی معاشرہ ہی اصلاح و خیر خواہی پر مبنی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس معاشرے کو لے کر چار دانگ عالم میں پھیل گئے۔ اور لوگوں کی زندگیاں، معاشرت، اخلاق حتی کہ لوگوں کی لغات تک کو تبدیل کر دیا۔ جس کی وجہ سے اسلامی معاشرے کی برکات نظر آنے لگی۔

میثاقِ مدینہ کا سیاسی اور سماجی پہلو

میثاق مدینہ کا سیاسی پہلو:

حضور اکرم ﷺ نے جب یثرب (مدینہ) میں قدم رنجا فرمایا تو مدینہ میں بد نظمی کا دور دورہ تھا۔ معاشی، مذہبی، سیاسی، تہذیبی، ثقافتی اور سماجی استحصال اپنے عروج پر تھا۔ یہاں کے لوگ تمدنی معاشرے کے بنیادی اصولوں سے بھی ناواقف تھے۔ چناں چہ آپ ﷺ نے معاشرے کی اصلاح کے لیے فوری اقدامات کرتے ہوئے مسلمانوں کو اخوت کی لڑی میں پرو دیا۔ جسے مواخاتِ مدینہ کہتے ہیں۔ دوسری جانب دیگر مذاہب کے حاملین بھی وہاں سکونت پذیر تھے۔ ان میں اکثریت یہودیوں کی تھی۔ ان حالات کے تناظر میں پیغمبرِ اسلام ﷺ جداگانہ فکر و مذہب کے حاملین کو ایسا جامع دستور عطا فرمایا جس دستور میں ہر مذہب و ملت کے مذہبی، سماجی، معاشی اور سیاسی حقوق و مفادات کو تحفظ دیا گیا۔ یہ میثاق، مدینہ میں بسنے والی مختلف اقوام و ملل، یہود و مشرکین اور مسلمانوں کے مابین ایک دستور کی حیثیت تھا۔ جسے "میثاقِ مدینہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

---

[1] ڈاکٹر اسرار احمد، **دروس القرآن**، ناشر مرکزی انجمن خدام القرآن، ص ۲۱۵

میثاقِ مدینہ کی ابتدا:

رسول اللہ ﷺ کا مدینہ میں سکونت اختیار فرمانے کے بعد ایک روز سیّدنا انس رضی اللہ عنہ کے والد[1] کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے وہاں ایک مشترکہ اجلاس طلب فرمایا جس میں مسلم اور غیر مسلم میں سے نمائندگان نے شرکت کی۔ آپ ﷺ شرکائے اجلاس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

> "اہلِ مدینہ کو اپنے باہمی اختلافات وتنازعات کے حل کے لیے مشترکہ چند اصولی شرائط پر اتفاق کر لینا چاہیے۔ اور بعد ازاں "معاہدہ میثاق[2]" کی شقوں کو ترتیب وار تحریر کروایا جس میں ہر مذہب وملت سے تعلق رکھنے والے کو مذہبی، سماجی، معاشی، معاشرتی اقدار میں آزادی عطا کی۔ یوں سب مذاہب کے متعلقین نے ان شرائط کو بخوبی قبول کیا اور یہود اور مسلمانوں کو ایک سیاسی وحدت کے طور پر منظم کر دیا گیا۔"[3]

میثاقِ مدینہ کے سیاسی پہلو:

میثاقِ مدینہ جن اعلیٰ انسانی اور سیاسی اقدار کی دستاویز ہے وہ ذاتِ رسول ﷺ کی سیاسی حکمتِ عملی کا آئینہ دار ہے۔ اس دستاویز سے مختلف المذاہب بھی اس بات پر متفق ہو گئے کہ ہمارے سارے معاملات میں حتمی قول فیصل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہو گا۔ یہ وہ کامیابی تھی کہ اہلِ مدینہ نے آپ ﷺ کی سیاسی اور مذہبی بالادستی کو قبول کر لیا تھا۔

---

[1] ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے والد کا نام "مالک بن نضر" تھا۔ آپ کا نسب نامہ، انس بن مالک بن نضر بن ضمضم بن زید بن حرام بن جنب بن عامر بن غنم بن عدی عدی بن نجار ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے والد، آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ سے ناراض ہو کر شام چلے گئے جب آپ کی والدہ نے اسلام قبول کیا۔ بعد ازاں، آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ نے دوسرا نکاح حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے کر لیا جن کا شمار قبیلہ خزرج کے امیر لوگوں میں ہوتا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ۱۰ سال مدنی دور میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی، خادم کی حیثیت سے آپ ﷺ کے پاس رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت، ابو ثمامہ اور "ابو حمزہ" تھی **(سیرت انسائیکلوپیڈیا، ص:۴۸)**

[2] ۔ میثاقِ مدینہ: راجح یہ ہے کہ میثاقِ مدینہ دراصل دو معاہدوں پر مشتمل ہے جنھیں مورخین نے یکجا کر کے ایک معاہدہ کی شکل دے دی۔ پہلا معاہدہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ہوا۔ ہجرت مدینہ کے بعد متصل ہوا۔ یہ غزوہ بدر سے پہلے ہوا۔ جب کہ دوسرا معاہدہ انصار اور مہاجرین کے مابین ہوا۔ یہ غزوہ بدر کے بعد ہوا، یہی راجح قول معلوم ہوتا ہے۔ اکرم ضیاء العمری اور صاحب فتوح البلدان نے بھی اس بات کو ترجیح دی ہے۔ **(سیرت انسائیکلوپیڈیا، ص:۴۸)**

[3] ۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، **رسول اللہ کی حکمرانی وجانشینی**، ص:۴۵

گویا اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ قانون الٰہی زندگی کے ساورے مسئلوں کو محیط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ نے میثاقِ مدینیہ میں حاکمیت اعلیٰ اللہ کی ذات کو قرار دے کر اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ اس میثاق کے سیاسی پہلو کے چند نمایاں نکات یہ ہیں۔

۱۔ مذہبی و سیاسی بالادستی کا اقرار

۲۔ مشترکہ دفاعی نظام پر اتفاق

۳۔ ریاست کے قیام کا اعتراف

۴۔ عدل وانصاف کا قیام

۵۔ باہم تعاون کی یقین دہانی

سیاسی اور مذہبی بالادستی کا اقرار:

سیاست:

"عربی زبان میں لفظ سیاست، سوس سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ سنوارنے اور نگرانی، انتظام کرنے کے ہیں۔"[1]

"اصطلاحی مفہوم کے لحاظ سے سیاست کا معنیٰ تدبیر ریاست اور ملک و قوم کی ترقی کے پروگرام گویا انسانی معاشرے میں اجتماعی امور کی تنظیم کے لیے اپنا حصہ ادا کرنا اور ریاست میں اقتدار حاصل کرنے کی کوشش بھی سیاست کہلاتی ہے۔"[2]

"امام غزالی کے نزدیک سیاست سے رماد وہ تدابیر ہیں جو لوگوں کے درمیان باہمی محبت و تعاون پیدا کرے۔ گویا آپ سیاست کو استصلاح الخلق (مخلوق کی اصلاح) کا نام دیتے ہیں اور علامہ ابن خلدون کے نزدیک سیاست اور سلطنت مخلوق کی نگہبانی اور ان کے مفادات کی کفالت ہے۔ گوای آپ نے کِفالۃ الخلق و خلافۃ اللہ (مخلوق کی سرپرستی اور اللہ کی نیابت سے سیاست کو موسوم کیا ہے۔"[3]

---

[1] ۔ابن منظور، **لسان العرب**، دار الصادر، بیروت، ۱۹۸۸ء، ص ۱۰۸

[2] ۔الغزالی، محمد بن محمد، ابو حامد، **احیاء علوم الدین**، مطبع البابیٰ الحلبی، ۱۹۹۹ء، ص ۱۲۱۴۳

[3] ۔ایضاً، ص

رسول اللہ میثاقِ مدینہ کی روشنی میں ایسی بات قائم کی جس میں اقتدار کا سرچشمہ قانون کا حتمی منبع وماخذ اللہ کی ذات کو قرار دیا۔ گویا حقیقی مقتدرِ اعلیٰ اللہ کی رسولِ اکرم ﷺ نے میثاقِ مدینہ کی رو سے ایک ایسی ریاست قائم کی جس میں اقتدار کا سرچشمہ اور قانون کا حتمی منبع و مآخذ اللہ کی ذات کو قرار دیا گیا ہے۔ گویا حقیقی مقتدرِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات اور آئینی، سیاسی، انتظامی حیثیت سے مقتدرِ اعلیٰ رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات ہوگی۔ جیسے معاہدہ کے الفاظ ہیں کہ

"وَ اِنکم لِماختلفتم فیه من شی مردة الی الله والی محمد صلی الله علیه وسلم"[1]

ترجمہ: اور جب تم میں کسی چیز کا اختلاف ہو تو اسے اللہ اور محمد ﷺ کی طرف لوٹایا جائے گا (کیوں کہ آخری اور حتمی حکم اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے۔

"وَ اِنَّهُ لَا یَخرُجُ مِنهُم اَحَدٌ اِلَّا بِاذنِ اللّٰهِ"[2]

ترجمہ: اور یہ کہ ان میں سے کوئی بھی محمد ﷺ کی اجازت کے بغیر جنگ کے لیے نہ نکلے۔

مشترکہ دفاعی نظام:

ریاست مدینہ کی تعمیر و تشکیل کے بعد سب سے اہم مسئلہ دفاعی نظام کو مضبوط اور مستحکم کرنا تھا۔ ان حالات کے تناظر میں رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں رہنے والے مختلف المذاہب لوگوں کے مابین ایک مشترکہ دفاعی نظام کے لیے معاہدہ کیا جس کے الفاظ یہ تھے۔

"وَ اَنَّ یَثرِبَ حَرَام جوفهَا لِاَهلِ هٰذِهِ الصَّحِیفَه"

ترجمہ: یثرب کا داخلی مقام (جوف) اس صحیفے والوں کے لیے حرم کا مقام رکھے گا۔

"وَان بَینَهُم النَّصرُ عَلیٰ مَن دَهَمَ یَثرِبَ"

ترجمہ: اگر کوئی یثرب (مدینہ) پر حملہ کرے گا تو اس کے خلاف (یہود و مسلمان) ایک دوسرے کی مدد کریں۔

"وَعَلیٰ کُلَّ اُنَاس حِصَّتُهم مَن جَاء بنبِهِم الَّذِیْ قِبَلَهُم"

ترجمہ: تمام لوگ شہر مدینہ کے (اپنی سرحدوں کی طرف) دفاع کے ذمہ دار ہوں گے۔[3]

---

[1] ۔ طاہر القادری، ڈاکٹر، "**سیرۃ الرسول ﷺ**، منہاج القرآن پبلی کیشنز، ص:۲۶۷

[2] ۔ ایضاً، ص:

[3] ۔ **سیرت انسائیکلوپیڈیا**، مکتبہ دارالسلام، ص:۶۰

گویا ایسا دفاعی نظام فراہم کیا گیا کہ مکمل طور پر داخلی اور خارجی حملے سے مدینہ کی رایست کو محفوظ کر لیا گیا اور رعایا کو اجتماعی امن و اسکون ملا اور نظم میں استحکام آیا۔

ریاست کا قیام:

"پیغمبرِ اسلام ﷺ کی اسلامی تعلیمات کی ترویج و اشاعت کے لیے ایک ایسی ریاست کی ضرورت تھی جہاں حاملینِ اسلام آزادی اور سکون سے عملی طور پر اسلام کی تعلیمات پر عمل کر سکیں۔ آپ ﷺ نے اسلامی ریست کے قیام اور استحکام کے لیے ایسے بنیادی اقدامات کیے جس وجہ سے نا صرف ریاست مدینہ قائم رہی بلکہ وہ فروغ پذیر بھی ہوتی چلی گئی۔ اسلام کا نقطہ نظر ریاست کا حصول نہیں تھا بلکہ ایک صالح اور بے مثال معاشرہ کی تشکیل کی جا سکے۔ یہ وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام میں ایسے رجال کار تیار کیے جنھوں نے ریاست مدینہ کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ ﷺ ک۔تعلیمات کا مرکز اللہ اور انسان کے درمیان موجود رشتے کا احیاء اور اصلاح تھا جس کے سبب ایک اسلامی ریاست کا قیام عمل میں لایا گیا۔"[1]

رسول اللہ ﷺ کا قائم کردہ ریاست اور حاکمیت صفت میں المرسل۔۔۔۔فی الارض کا عملی تصویر تھا۔

عدل و انصاف کا قیام:

"معاہدہ میثاق کا ایک سیاسی اور سماجی اصول، معاشرے میں عدل و انصاف کا قیام بھی تھا۔ مدینہ کی ریاست میں پیغمبرِ اسلام ﷺ نے عدل و انصاف کے قیام کے لیے کئی اقدامات کیے۔ جیسے کہ معاہدہ کے الفاظ ہیں کہ

"بنو حارث، بنو عوف، بنو کاعدہ، بنو جشم، بنو نجار اور دیگر قبائل کے درمیان خون بہا، ان کے طریقے کے مطابق ادا کیا جائے جو طریقہ انصاف پر مبنی ہو۔"

"وَكُل طَائفَه تَفدِی كمانیها بالمعروف وَالقسط بین المؤمنین"[2]

ترجمہ: ہر فریق اپنے قیدیوں کا فدیہ معروف طریقے سے ادا کرتے گا جو مؤمنین کے درمیان انصاف پر مبنی ہو۔

---

[1] ۔ سیرت انسائیکلوپیڈیا، مکتبہ دار السلام، ص: ۲۱۹

[2] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ص ۱/ ۶۴۱

امن وامان کی ضمانت اور فروغ:

"معاہدہ میثاق" میں مختلف المذاہب لوگوں کو ان کے جان ومال کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے اور ریاست میں امن وامان کے فروغ کی یقین دہانی بھی کرائی گئی ہے۔ جیسے کہ

"وَاَنَّ مسلم المؤمنینوَاحِدَہ، لَا یُسالِم مؤمن دُون مُؤمن فِی قِتَالٍ فِی سَبِیلِ اللہِ اِلَّا عَلیٰ سَوَاءٍ وَعَدَل بینھُم"[1]

ترجمہ: ایمان والوں کی صلح (معاہدہ امن) ایک ہی ہوگی اللہ کی راہ میں جہاد کے دوران کوئی مؤمن کسی دوسرے مؤمن کو چھوڑ کر (دشمن) سے صلح نہیں کرے گا جب تک یہ صلح ان سب کے لیے برابر اور یکساں نہ ہو۔

بقائے باہمی کا اصول:

اسلام سلامتی اور امن کا دین ہے۔ اسلام کا تصور "امدادِ باہمی "صرف نظریہ وعقیدہ" محدود نہیں بلکہ عمل کے لحاظ سے ایک عالمگیر نظام ہے۔ اسلام نے ایک طرف اور مثالی مملکت کو مستحکم بنانے کے لیے امداد باہمی کا تص ور دیا۔ قرآن نے امداد باہمی اور تعاون کی ترغیب دیتے ہوئے جو اصول اور قانون بیان کیا وہ یہ ہے کہ:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾[2]

ترجمہ: نیکی اور پرہیز گاری (کے کاموں) میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو۔

اس اصول کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

"وَاِذَدَعَوا اِلی صُلحٍ یُصَالھونہ وَ یلبِسونَہ فاِلھم یُصالھونۃ وَیلبسونہ وَ اِنَھم اِذا دعوع الیٰ مثلِ ذَلک فاِنہ لھم عَلی المؤمنِین"

ترجمہ: اگر یہودیوں کو صلح میں مدعو کیا جائے تو وہ بھی صلح کریں گے اور اس میں شریک رہیں گے۔ اگر وہ بھی کسی ایسے امر کے لیے بلائیں گے تو مؤمنین کا بھی فریضہ ہوگا کہ ان کے ساتھ ایسا ہی کریں اور اس "امن و صلح" کی بنیاد یہ نکتہ ہوگا۔

---

[1] ۔ ایضاً، ص:۲۲۹

[2] المائدہ:۵/ ۲

"وَ اِنَّ اللّٰہَ جَارَ لِمن بِرَّو التقی وَ محمد رَّسُولُ اللّٰہ"[1]

ترجمہ: اور جس نے اس دستور کو باقی رکھا نیکی اور امن پر کار بند ہرا۔ تو (وہ اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی ضمانت میں ہے۔

مندرجہ بالا نکات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ پیغمبرِ اسلام نے ریاستِ مدینہ میں سیاسی وحدت کو قائم کیا اور ریاست کے دفاعی، معاشرتی، سماجی اور دیگر معاملات کی اصلاح کی۔ بعدازاں ایسا مہذب معاشرہ تشکیل دیا جو ہمیشہ کے لیے لائقِ تقلید ہے۔

میثاقِ مدینہ کا سماجی پہلو

"میثاقِ مدینہ کا معاہدہ افراد معاشرہ کے درمیان تعلقات کے حسین امتزاج ہے۔ یہ پہلا معاہدہ جس میں تمام ساکنینِ مدینہ نے حضور ﷺ کی قیادت کو قبول کر لیا اور بیرونی دشمن سے نمٹنے کے لیے آپس میں باہمی تعاون اور انتظام پر اتفاق کیا گیا۔ دیگر قبائل کو آزادی کے ساتھ ساتھ جو ان ومال کا تحفظ بھی ملا اور ان کے مادی
حقوق متین کیے گئے۔"[2]

سماجی پہلو:

معاہدہ میثاق ایک سیاسی دستاویز کا شاہکار ہونے کے ساتھ اپنے اندر کئی سماجی پہلو کو لیے ہوئے ہے۔ سماجی پہلو سے مرادوہ عوامل جن پر انسانی معاشرہ مشتمل ہوتا ہے۔ معاہدہ میثاق کے سماجی پہلو درج ذیل ہیں۔

۱۔ معاشرتی جرائم کا انسداد
۲۔ باہمی تعاون کی یقین دہانی
۳۔ معاشرتی امن وامان
۴۔ ظلم وزیادتی کا سدِباب
۵۔ معاشرتی مساوات

---

[1] ۔البدایۃ والنھایۃ، ص ۳/ ۲۲۵

[2] ۔ندوی، ابوالحسن، مولانا، مقالات حول السیرۃ النبویہ، بیروت، دار ابن اکثیر، ۲۰۰۲ء، ص ۱۶۵

"اس معاہدے کا دائرہ کار صرف مدینہ کے باشندوں کے لیے نہیں تھا بلکہ مدینہ کے اطراف اور اکناف میں ہی بسنے والے قبائل بھی اس معاہدے میں شریک ہوئے۔ اس معاہدے کے پیشِ نظر مقصد پر امن زندگی، سماجی اور معاشی خوش حالی کا قیام عمل میں لانا ہے۔"[1]

معاشرتی جرائم کا انسداد:

"معاہدہ میثاق" میں ایک معاشرتی برائی کے سدِ باب کے لیے بھی اقدامات کیے گئے ہیں۔ عرب معاشرہ بنیادی طور پر قبائلی معاشرہ تھا۔ اس میں "دیت کی ادائیگی" اور "قیدیوں کے فدیہ" کی ادائیگی پورا قبیلہ مل کر کرتا تھا جس کی وجہ سے معاشرتی جرم میں کمی واقع ہوتی تھی۔ ان کے اس طریقہ کو قائم رکھا گیا لیکن عدل و انصاف کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔

"اَلمُهَا جِزونَ مِن قُرَیشٍ عَلیٰ رَبعتهم یَتعَقلون بینهم"

ترجمہ: قریش مہاجر باہم اپنے رواج کے مطابق خون بہا دیں گے اور اپنے قیدیوں کا فدیہ معروف طریقے سے ادا کریں گے۔

اس شق کو اس لیے باقی رکھا گیا کہ قبیلے والے خود ہی جرائم پیشہ افراد پر نظر رکھ سکیں۔

باہمی تعاون:

اسلام ہمیں تعاونِ بر کا حکم دیتا ہے۔ اسی لیے " معاہدہ میثاق" میں بھی مسلمان کا دوسرے مسلمان کی مدد کا درس دیا گیا ہے جیسا کہ

"اِنَّ المؤمنین لَا یتزلون مضرحا بینهم اَن یعطُوهُ بِالمعروفِ فِی فدا وَ عَقل"[2]

ترجمہ: مؤمنین اپنے درمیان کسی مقروض و بے یار و مددگار نہں چھوڑیں گے۔ یہ نہیں ہے کہ معروف طریقہ سے اپنے مسلمان بھائی کی (قتل و لڑائی) میں خون بہا اور فدیہ ادا نہیں کریں گے۔

---

[1] ۔حمید اللہ، ڈاکٹر، **رسول اللہ ﷺ کی حکمرانی وجانشینی**، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۵۵

[2] ۔ابن ہشام، **السیرۃ النبویہ**: ص ۱/ ۶۴۲

معاشرتی امن وامان:

یثرب (مدینہ) میں قتل وخون ریزیاں عام تھیں۔ اگرچہ لوگ فطری طور پر اس جنگ وجدال سے تنگ آگئے تھے لیکن مناسب قیادت یا تنظیم کے نہ ہونے کی وجہ سے اس معاشرے سے ان برائیوں کا خاتمہ ایک مشکل کام تھا۔ "معاہدہ میثاق" کے تناظر میں ریاست مدینہ میں امن وامان قائم کرنا اور اس شہر کو حرم قرار دینا ایک انقلابی اور سماجی قدم تھا۔ معاہدہ کے الفاظ یہ ہیں۔

"َاَن یثرب حرام جوفها لِاَهلِ هٰذِهِ الصحیفه"[1]

ترجمہ: یثرب کا داخلی علاقہ (جوف) اس صحیفے والوں کے لیے حرم کا مقام رکھے گا۔

گویا پیغمبرِ اسلام نے شہر مدینہ کو حرم قرار دے کر دعوتِ دین کے لیے ماحول ساز گار بنا دیا تھا۔ امن کے ماحول کے باعث جو انسان کا فطری جذبہ ہے۔ لوگ بخوشی مشرف بہ اسلام ہونے لگے۔

ظلم وزیادتی کا سدِباب:

ظلم وزیادتی کے سدِباب کے لیے اسلام نے کئی اصول متعین کیے ہیں اور مرتکبین برائی کے خلاف متحدہ مخالفت کا درس دیتا ہے۔

"معاہدہ میثاق" کے الفاظ اس حکم کی عکاسی یوں کرتے ہیں:

"وَاَنَّ المتقین اَیدِیهم علیٰ مَن بَغیٰ مِنهُم ۔ ۔ ۔ ۔ ولَو کانَ وَلَدَ اَحَدِهِم"[2]

ترجمہ: تمام متقی مسلمان مل کر ہر اس شخص کی مخالفت کریں گے جو سرکش، ظلم و زیادتی کا مرتکب ہو گا۔ گناہ، حد سے تجاوز کرنے والا، یا مومنوں کے مابین فساد برپا کرنے والا، ایسے شخص کی مالفت میں انکے ہاتھ ایک ساتھ

اٹھیں گے، خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہو۔

جس معاشرے میں گناہ اور ظلم وزیادتی کو روکنے کا اجتماعی نظام موجود ہو اس میں معاشرتی جرائم کیسے باقی رہ سکتے ہیں اور جس معاشرے میں جرم کی سزا سے بیٹے کے لیے بھی کوئی تحفظ نہیں ہے وہاں دوسرے کیسے جرم کی سزا سے بچ سکتے ہیں۔ آپ ﷺ کے منہ سے نکلے ہوئے یہ الفاظ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں

---

[1] ۔ زینت ہارون، "حضرت محمد ﷺ کی مدنی زندگی"، خواجہ پرنٹرز پبلی کیشنز، کراچی ص:۶۱

[2] ۔ ایضاً، ص:۵۵

((عَنِ الزُّهْرِی عَنْ عُرْوَۃُ، عَنْ عَائشَۃُ رَضِی اللہُ عَنْہَا، اَنَّ اِمْرَاۃً مِنْ بَنَی مَخْزُوْمٍ سَرْقَتْ، فَقَالُوْا، مَنْ یَّکَلِّمُ فِیْہَا النَّبِیَّ صَلی اللہُ عَلَیہِ وَ سَلِم فَلَمْ یَجْتَرِی اَحَدٌ اَنْ یَّکِمَہُ فَکَلَّمَہُ اُسَامَۃُ ابنْ زَیدٍ، فَقَالَ اِنَّ بَنِیْ اِسرائیْلَ کَانَ اِذَا سَرَقَ فِیْہِمْ الشَّرِیْفُ تَرَکُوْہٗ وَ اِذا سَرَقَ فِیْہِمُ الضَّعِیْفُ قَطَعُوْہٗ، لَوْ کَانَتْ فَاطِمَۃُ لَقَطَعْتُ یَدَھَا)) [1]

ترجمہ: زہری روایت کرتے ہیں وہ عروہ سے اور (عروہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ بنی مخذوم کی ایک عورت نے چوری کر لی تھی۔ قریش نے (اپنی مجلس میں) سوچا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس عورت کی سفارش کے لیے کون جا سکتا ہے؟ ان میں سے کوئی اس کی جرات نہیں کر سکا۔ آخر اسامہ بن زید نے اس (بابت) بات کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں یہ (دستور تھا کہ) جب کوئی شریف آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس کے ہاتھ کاٹتے۔ اگر آج فاطمہ رضی اللہ عنہا نے چوری کی ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔

معاشرتی مساوات:

معاشرہ افراد کے مجموعے کا نام ہے اسلام فرد اور معاشرے کی اصلاح کے لیے یکساں زور دیتا ہے۔ اسلام کی نظر میں فرد اور سماج دونوں کی اہمیت اور افادیت یکساں ہے۔ اس لیے پیغمبرِ اسلام نے معاشرتی امن و آشتی کو برقرار رکھنے کے لیے مساوات کا درس دیا۔ جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے:

کسی بھی معاشرے کی امن و آشتی کی بنیاد معاشرتی مساوات پر مبنی ہے۔ اس لیے رسول اللہ نے اللہ تعالیٰ کے اذن سے اپنے معاشرے کی بنیاد میں اس کو ملحوظِ خاطر رکھا۔ معاہدہ میثاق کے مطابق:

"وَ اَنَّ ذِمَّۃَ اللہِ وَاحِدَہ یجیرُ علیھم ادناھُم وَاَنَّ المؤمِنِینَ بَعضھُم موالیَ لحضِ دُون۔ النَّاسِ"

ترجمہ: اللہ کی پناہ سب کے لیے ایک ہے۔ ان مسلمانوں میں سے جو شخص سب سے کم مرتبہ ہے وہ بھی کسی کو پناہ دے سکتا ہے۔ مومن (آپس میں) باہم بھائی اور دوست ہیں۔

"وَاَنَّہُ من تبعنا مِن یَّھودَ فَاِنَّ لَہُ النَّصرَ وَ الاسوَۃَ غیرَ مَظلُومِینَ وَ لَا مُتَنَاصِر عَلَیھِم" [2]

---

[1] ۔ محمد بن اسماعیل، **الصحیح البخاری**، کتاب المناقب، باب اسامہ بن زید، حدیث نمبر ۳۷۳۳

[2] ۔ **الطبقات الکبریٰ**، ص:۱ / ۲۷۲

ترجمہ: یہودیوں میں سے جو ہماری اتباع کرے گا، اسے ہماری امداد اور مساوات حاصل ہو گی۔ نہ ان پر ظلم کیا جائے گا اور نہ ان کے خلاف کسی کی مدد کی جائے گی۔

"معاہدہ میثاق" کے سماجی مشمولات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ اسلام عالمگیریت کا مذہب ہے اور اس کا تعلیمات منبع فوز و فلاح ہیں۔ اسلام ایک مہذب معاشرے کی تشکیل کا درس دیتا ہے اور معاشرے کی سماجی اقدار کے فروغ کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور سماجی برائیوں کے سدِباب کے لیے فوری اور مناسب اقدامات کی تعلیم دیتا ہے۔

ذیل میں چند معاہداتِ نبوی کے سیاسی اور سماجی اثرات کو یوں بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ بیعت عقبہ اولیٰ وثانیہ کے سیاسی و سماجی اثرات

۲۔ معاہدہ نجران کے سیاسی اور سماجی اثرات

۳۔ معاہدہ باجگزران فارس کے سیاسی و سماجی اثرات

۴۔ معاہدہ خیبر کے ساسی و سماجی اثرات

۵۔ حلیفی قبائل سے معاہدات کے سیاسی و سماجی اثرات

بیعتِ عقبہ وثانیہ

بیعتِ عقبہ وثانیہ اسلام کی پہلی بیعت تھی جو کہ حج پر آئے ہوئے چند افراد سے لی اور ان سلیم الفطرت طبائع نے اسلام کی دعوت کو قبول کیا۔ جن امور پر بیعت منعقد ہوئی وہ درج ذیل ہیں۔

"۱۔ چستی اور سستی ہر حال میں بات سنو گے اور مانو گے۔

۲۔ تنگی اور خوش حالی ہر حال میں مال خرچ کرو گے۔

۳۔ بھلائی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے۔

۴۔ حق بات کا اظہار کرنے میں کسی کی پرواہ نہیں کرو گے۔

۵۔ جب میں تمھارے پاس آؤں تو میری مدد کرو گے اور میری حفاظ بھی کرو گے جس طرح اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔"[1]

---

[1] ۔ بخاری، **صحیح بخاری**، کتاب الایمان، باب وفود الانصار، ح:۱۸

مذکورہ بالا بیعت کے سیاسی اور سماجی اثرات:

۱۔ اہلِ مدینہ نے آپ کو مدینہ میں بحیثیت مذہبی پیشوا بلایا اور آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی سیاسی اور مذہبی بالا دستی کو قبول کر لیا۔ یہ کامیابی اہلِ قریش اور منافقین کی بہت بڑی ناکامی تھی۔

۲۔ اسلام کی دعوت و تبلیغ کے راستے کھل گئے۔

۳۔ معاشرتی اقدار کی تنقید کی عملی صورتیں ممکن ہوئیں۔

۴۔ اسلام کو ماننے والے ایک جگہ جمع ہونے لگے۔

قبائلِ مدینہ سے پیغمبرِ اسلام کی بیعت کا نمایاں اثر تھا کہ چند ہی سالوں میں اچھی خاصی تعداد میں مردوں اور عورتوں نے اسلام قبول کر لیا۔

معاہدہ نجران کے سیاسی اور سماجی اثرات

معاہدہ نجران:

۹ ہجری میں نجران سے عیسائیوں کا ایک وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ نجران کا علاقہ حجاز اور یمن کے درمیان ہے۔ پیغمبرِ اسلام صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اہلِ نجران سے "معاہدہ صلح" فرمایا۔ اس معاہدہ کے چند نکات درج ذیل ہیں۔

ان سے مذہبی رواداری کا معاہدہ فرمایا کہ

"۱۔ ہر ایک کو اس کے مذہب کی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی حاصل ہو گی۔

۲۔ معاہدین میں سے ہر ایک کے جان و مال کے تحفظ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہو گی۔

۳۔ معاشرتی حقوق و فرائض میں مسلم و غیر مسلم برابر ہوں گے۔

۴۔ ایک شخص کو دوسرے کے گناہ کے بدلے نہیں پکڑا جائے گا۔

۵۔ پادری علماء کو ان کے مراتب پر حسبِ حال باقی رکھا جائے گا۔

۶۔ عہد جاہلیت کے کسی خون یا عہد کی ذمہ داری نہ ہو گی۔"[1]

سیاسی و سماجی اثرات:

معاہدہ نجران کے چند سیاسی اور سماجی اثرات نمایاں ہیں۔

---

[1] ۔ المودودی، "الجہاد فی الاسلام"، ناشر ادارہ ترجمان القرآن، ص: ۲۷۷

۱۔ انھوں نے اسلام کی سیاسی اور مذہبی سیاست کو تسلیم کیا تھا جس کی وجہ سے بخوشی "معاہدہ صلح" تحریر کیا گیا۔

۲۔ سماجی اقدار کو فروغ ملا۔

۳۔ مال و جان کے تحفظ کی ضمانت دی گئی۔

۴۔ مذہبی رواداری کو فروغ ملا۔ (جس کا ثبوت پیغمبرِ اسلام ﷺ کا عیسائیوں کے وفد کو مسجد میں ٹھہرنے اور اپنے طریقہ پر عبادت کی اجازت دینے سے واضح ہوتا ہے۔)

۵۔ "صلح نامہ" کی شرائط کا منصفانہ انداز کی وجہ سے عیسائیوں کے دو مذہبی علماء سیّد اور عاقب نے اسلام قبول یوں اسلام کی مذہبی رواداری اور اسلامی سیاست کار گر ثابت ہوتی ہے۔

معاہدہ باجگزارانِ فارس کے سیاسی اور سماجی پہلو:

باجگزارانِ فارس سے مراد وہ ریاستیں ہیں، عہدِ نبوی میں جھنوں نے اسلام کی بالادستی کو قبول کیا۔ پیغمبرِ اسلام ﷺ نے ان سے خراج یالگان وصول کیا۔ ان ریاستوں سے یا مدینے کے قرب میں جو قبائل تھے ان سے جو معاہدات یا معاملات طے کیے ان کے سیاسی اور سماجی پہلو یہ ہیں۔

"۱۔ ان معاہدات کے ذریعے اسلام کو مذہبی اور سیاسی طور پر برتری ملی۔

۲۔ جغرافیائی اور دفاعی اعتبار سے ریاستِ مدینہ کو وسعت ملی۔

۳۔ معاشرتی اقدار کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے غیر مسلموں سے معاملات کیے گئے۔

۴۔ تجارتی اور ثقافتی اعتبار سے مکمل آزادی دی گئی۔

۵۔ ان معاہدات کے انصاف پسند اصولوں کی وجہ سے بعض قبائل کے لوگ وفد کی صورت میں بارگاہِ رسالت میں آئے اور اسلام قبول کیا۔

۶۔ سود، شراب اور زنا جیسی برائیوں کی ممانعت پر معاہدہ طے ہوا۔"[1]

ان قبائل سے معاہدوں کا ثمراتی پہلو یہ تھا کہ نہ صرف ریاستِ مدینہ سیاسی، دفاعی اور سماجی طور پر مستحکم ہو گئی بلکہ دعوتِ دین کو توسیع کرنے کے بہترین مواقع پیدا کیے گئے جس سے اسلام کے اثرات پھیلتے چلے گئے۔

[1] ۔ مجموعہ الوثائق السیاسیہ، ص:۲۸۶

معاہدہ خیبر کے سیاسی اور سماجی پہلو

معاہدۂ خیبر:

خیبر جب فتح ہوا تو رسولِ اکرم ﷺ سے یہودیوں نے "معاہدہ صلح" کیا جس کے نکات حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ ان کی جان بخشی کی جائے گی وہ علاقہ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ لیکن بعد میں انھوں نے اپنی زمینوں پر زراعت کا مطالبہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے س مطالبہ کو قبول کر لیا۔

۲۔ ان کو بقدر ضرورت سامان اور سواریاں لے جانے کی اجازت دی گئی۔

۳۔ ان سے جنگی اسلحہ لے لیا گیا تا کہ دوبارہ کسی فتنے کا سبب نہ بنے اور مدافعانہ کارروائی سے باز رہیں۔

حلیفی قبائل سے معاہدات کے سیاسی وسماجی اثرات

"۱۔ قبائل سے حلیفی معاہدہ کی وجہ سے حکومت مدینہ کا سیاسی اثر ورسوخ بڑھ گیا۔

۲۔ اطراف مدینہ کی وجہ سے ریاست مدینہ کے خلاف سیاسی اور مذہبی، سازشوں کا خاتمہ ہو گیا۔

۳۔ حلفی معاہدہ کی وجہ سے ریاست مدینہ کے خلاف سیاسی اور مذہبی، سازشوں کا خاتمہ ہو گیا۔

۴۔ طویل المیعاد حلیفی معاہدات کا فائدہ یہ ہوا کہ "حکومت مدینہ" سیاسی اور مذہبی اعتبار سے مستحکم ہو گئی۔

۵۔ معاہدہ کی اساس حمایت اور تعاون پر مبنی تھی جس کی وجہ سے "حکومتِ مدینہ" کا سیاسی اور مذہبی فریضہ تھا کہ معاہدین کے جان ومال کا تحفظ دیا جائے۔

۶۔ حلیفی قبائل کے قرب میں رہنے والے قبائل کو بھی امان دی گئی جس کے نمایاں سیاسی اثرات مرتب ہوئے۔"[1]

پیغمبرِ اسلام ﷺ کی حلیفی قبائل کے ساتھ عادلانہ اور منصفانہ معاملات کے پیشِ نظر ہی ان قبائل نے خوشی سے آپ ﷺ کی سیاسی اور مذہبی بالادستی کو قبول کیا۔

سماجی اثرات:

حلیفی معاہدات کے سماجی اثرات کے چند نمایاں پہلو درج ذیل ہیں۔

۱۔ مذہبی آزادی

---

[1] ۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، **مجموعہ الوثائق السیاسیۃ**، وثیقہ ۱، ص ۶۰

۲۔ جان ومال کا تحفظ

۳۔ امدادِ باہمی

۴۔ عدل وانصاف

۵۔ طویل المیعاد تعلقات

مذہبی آزادی:

"حلیفی معاہدہ میں کسی قبائل یا گروہ کو جبراً اسلام کی دعوت نہیں دی گئی بلکہ مذہب کے معاملہ میں آزدی دی گئی۔ مختلف المذاہب لوگوں کے ساتھ حلیفی معاہدہ کیا گیا۔ انھیں بھی وہی حقوق دیے گئے جو حقوق مسلمانوں کو حاصل تھے۔"[1]

جان ومال کا تحفظ:

دینِ اسلام انسان کی جان ومال کو تحفظ فراہم کرتا ہے اورانسانیت کی تذلیل سے منع کرتا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ حلیفی قبائل کے بارے میں اسی بات کا اہتمام بھی کیا گیا کہ

"ان کے جان ومال کو تحفظ دیا جائے گا۔" اور عمومی طور پر حلیفی معاہات زیادہ تر اس شق کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہیں۔"[2]

طویل المیعاد معاہدہ:

حلیفی معاہدہ کی طوالت اسلامی حکومت کو منظم معاشرے کی تشکیل میں مددگار ثابت ہوئی۔

"سمندر میں رطوبت ہونا" اس سے مراد طویل مدت پر محیط معاہدہ ہے۔ یہ وجہ ہے کہ طویل مدت امن وامان کے باعث "ریاستِ مدینہ" کو مزید استحکام ملا۔

امدادِ باہمی:

آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ امدادِ باہمی کی یقین دہانی بھی کرائی گئی جیسا کہ معاہدے کے الفاظ ہیں کہ

"کسی ظلم وزیادتی کے سبب ظالم کے خلاف امدادی کارروائی کی جائے گی۔ جو لوگ ان قبائل میں شامل ہوں گے انھیں بھ یوہی حقوق حاصل ہوں گے جو حقوق حلیفی قبائل کو حاصل ہیں۔"[1]

---

[1] ۔ طبقاتِ ابن سعد، ص ۲۷۰

[2] ۔ طبقاتِ ابن سعد، ص ۳۸/۵

عدل و انصاف:

حلیفی معاہدات میں عدل و انصاف کا پہلو نمایاں ہے۔ ان خوبیوں کے باعث ہی جب حلیفی قبائل کو اسلام کی تعلیمات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو وہ ان تعلیمات سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ جیسا کہ

"معاہدین میں سے کوئی بھی کسی جرم کی سزا کے نفاذ میں رکاوٹ نہیں ہو گا۔ قبیلے کے خاندانی معاملات میں دخل اندازی نہیں کی جائے گی۔"[2]

مندرجہ بالا بحث کا حاصل یہ ہے کہ اسلام مسلم و غیر مسلم میں سے ہر ایک کو پورے حقوق عفا کیے۔ کسی اور مذہب میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ سماج پر حلفی معاہدہ کا یہ اثر ہوا کہ وحق و انصاف پر مبنی معاہدات کے نکات سے متاثر ہو کر بخوشی حلیفی معاہدے کیے۔ اکثر قبائل بعد میں مسلمان ہو گئے۔

سیاسی اور سماجی پہلو:

۱۔ ریاستِ مدینہ کو سیاسی طور پر استحکام نصیب ہوا۔

۲۔ یہودیوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے "ریاستِ مدینہ" محفوظ ہو گئی۔

۳۔ ریاستِ مدینہ کا دفاعی نظام مضبوط ہو گیا۔

۴۔ یہودی سیاسی، سماجی، دفاعی طور پر کمزور ہو گئے اور انھوں نے اسلام کی سیاسی بالادستی کو قبول کرتے ہوئے جزیہ اور خراج ادا کرنے کی درخواست کر دی۔

۵۔ ریاستِ مدینہ کو سیاسی، سماجی استحکام کے علاوہ معاشی طور پر مزید استحکام نصیب ہوا۔

اسی طرح دیگر قبائل تیاء اجر یا اذرح وغیرہ سے بھی "معاہداتِ صلح" کیے گئے۔ مندرجہ بالا کے تناظر میں کہا جا سکتا ہے کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ کی تمام تر معاہداتی کاوشیں دینِ اسلام کی ترویج و سربلندی اور "ریاستِ مدینہ" کو پر امن مثالی معاشرہ بنانے کے لیے تھیں۔ مال و متاع کا حصول اور ریاستی جارحیت کسی موقع پر پیغمبرِ اسلام ﷺ کے پیشِ نظر نہ تھی بلکہ دعوت کے لیے سازگار ماحول پیدا کرنا اولین مقاصد میں سے تھا جس کے نتیجہ میں اس حوالے سے خاطر خواہ کامیابی ملی۔

قبائلِ عرب سے کیے گئے معاہدات کے سیاسی اور سماجی اثرات

---

[1] ۔ البدایۃ والنھایۃ، ص ۳/ ۲۶

[2] ۔ ایضا ۳: ۲۶/

قبائلِ عرب سے معاہدات کرنے کی بنیادی وجوہات میں سے تھی کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ ریاستِ مدینہ میں امن کے ساتھ ساتھ دعوتِ دین کے لیے پُر امن ماحول کے بھی خواہاں تھے اور اطرافِ مدینہ میں بسنے والے قبائل جو اقلیتیں متصور ہوتی ہیں، آپ ﷺ نے ان کے لیے پیغام بھیجا کہ یا تو تم سب اسلام قبول کر لو جو بہترین انتخاب ہے یا پھر اسلام کی بالادستی کو قبول کر لو۔ اسلام معاہدین کے ہر طرح کے حقوق و فرائض کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔ یہاں تک کہ مذہبی رواداری کا مظاہرہ بھی کرتا ہے۔

((عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ: ((اَلْمُؤمنون تَتَكَافأ دِمَاؤهمْ، وَيسْعى بِذِمَّتِهِمْ اَدْنَاهُمْ، وَهمْ يدٌ عَلى مَنْ سِوَاهمْ، اَلَا لَا يقْتَلُ مُومِنٌ بِكَافِرٍ وَلَا ذُوْ عَهدٍ فِيْ عَهْدِهٖ)) [1]

ترجمہ :نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب مومنوں کے خون برابر ہیں، ادنی مؤمن بھی امان دے سکے گا، وہ سب اپنے غیروں پر ایک ہاتھ کی مانند ہیں، خبردار! مومن کو کافر کے بدلے اور ذمی کو اس کے معاہدے کے زمانے میں قتل نہیں کیا جائے گا

اسی طرح معاہدین میں سے کسی ایک کے ساتھ عہد توڑنے کی ممانعت ہے۔ جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے:

((عَنْ اَبِيْ بَكْرَ رضى الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ الله صلى الله عليه وآله وسلم : مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مُعَاهَدَة بغير حِلِّهَا، حَرَّمَ الله عَلَيه الْجَنَّة اَن تَجِدَ رِيْحَها)) [2]

ترجمہ: سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے بغیر کسی حق کے ذمی کو قتل کر دیا، اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو اس طرح حرام کر دے گا کہ وہ اس کی خوشبو بھی نہیں پا سکے گا۔

گویا اسلام معاہدین کے حقوق کو تحفظ دیتا ہے تاکہ معاشرہ امن و سکون کا گہوارہ بن سکے۔

[1] ۔احمد بن حنبل، **المسند**، کتاب امان، صلح اور عارضی جنگ بندی کا بیان، باب معاہدہ پورا کرنا اور امان والے سے دھوکا نہ کرنے کا بیان، حدیث ۵۱۳۱ (تخریج: اسنادہ صحیح اخرجہ ابوداؤد والنسائی ۲۷۶۰) المحدث: الألباني: أخرجه أبو داود (۲۷۵۱) مطولاً، وابن ماجه (۲۶۵۸)، وأحمد (۶۷۹۷) بنحو

[2] ۔احمد بن حنبل، **المسند**، کتاب امان، صلح اور عارضی جنگ بندی کا بیان، باب معاہدہ پورا کرنا اور امان والے سے دھوکا نہ کرنے کا بیان، حدیث ۵۱۴۱ (حدیث صحیح ہے) التخریج: المحدث ابن خزيمة. أنه صح وثبت بالإسناد الثابت أخرجه أبو داود (۲۷۶۰)، وأحمد (۲۰۴۰۳) بنحوه، والنسائي (۴۷۴۸) باختلاف يسير، وابن خزيمة في ((التوحيد))

قبائل سے معاہدات:

اسلام سے پہلے عرب میں لوگ چھوٹے بڑے قبائل میں رہا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے اسلام کی دعوت کو پُر امن طریقے سے ان سب کو گوش گزار کرنے کی ہر ممکن کوششیں کیں، تاہم ان میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی، لیکن جب آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی اور مدینیہ میں نسبتاً پُر امن اور با اختیار خطہ میسر آیا تو آپ ﷺ نے دعوتِ دین کے لیے بہتر منصوبہ بندی فرمائی اور ہر طرف وفود، سفیر اور خطوط کے ذریعے مختلف ممالک اور قبائل کے سرداروں سے روابط قائم کیے ی اور مختلف معاہدات فرمائے۔

ان معاہدات کا اصل مقصد انسانوں کی بہتری اور معاشرے میں امن و امان کا قیام تھا۔ پیغمبر اسلام نے نو مسلم قبائل یا غیر مسلم قبائل جنھوں نے مدینہ میں اسلامی حکومت کی رعایا کے طور پر رہنا پسند کیا۔ آپ ﷺ نے ان سے بھی کئی معاہدات کیے جو کہ ان اقلیتوں کے حقوق کے مختلف جہات شامل ہیں۔ یہ معاہدات ان اقلیتوں کے حقوق کو نمایاں طور پر ظاہر کرتے ہیں۔ یہ معاہدات امن و آزادی کا واضح اعلان اور معاہدین کے حقوق کا ماخذ ہیں اور سیاسی اصول کی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔

معاہدات:

"مدینہ کو ایک سیاسی وحدت اور اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ پیغمبرِ اسلام ﷺ نے
آس پاس کے قبائل کو ساتھ ملانے کی کوششیں بھی شروع کر دیں۔ دو تین بار صحابہ کرام کو مہمات پر بھیجا۔"[1]

پیغمبرِ اسلام نے یہ اقدام اس غرض سے کیا تھا کہ جن قبائل سے اب تک کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔ ان سے معاہدہ عمل میں لایا جائے اور جن سے پہلے معاہدہ ہو چکا ہے اس کی تجدید یا توثیق ہو جائے۔ ایک مقصد دشمنوں کی سازشی یا دفاعی کاروائیوں سے آگاہی حاصل کرنا تھا۔ ایک اور مقصد یہ بھی تھا کہ آس پاس کی مختلف آبادیوں پر اثر ڈالنا کہ مسلمان جوابی کاروائیوں کی ہمت رکھتے ہیں۔ مدنی دور میں باقاعدہ اسلامی ریاست کی بنیاد رکھ لی گئی تھی۔ اس لیے قبائل سے جو معاہدے بھی کیے گئے وہ بین الاقوامی نوعیت کے تھے اور خطرات کے پیشِ نظر اکثر میں معاہدات کی تجدید و تحریر بھی کی گئی۔

---

[1] ۔ محسن نعیم صدیقی **محسنِ انسانیت**، الفیصل تاجران کتب اردو بازار، ص:۵۶۷

۱۔بنو عریض اور بنو غازیہ سے معاہدات:

آپ ﷺ نے بحرین کے یہودیوں، بنو عریض اور بنو غازیہ کے ساتھ درج ذیل باتوں پر معاہدہ کیا۔

۱۔ یہودیوں پر مسلمان حاکم ہوں گے۔

۲۔ جزیہ ادا کریں گے۔

۳۔ اپنے دین پر قائم رہیں گے۔

۲۔خیبر کا معاہد:

حدیبیہ کے واپسی کے بعد اللہ نے ایک اور بڑی فتح کی نوید سنائی۔۔ آپ ﷺ نے کچھ دنوں بعد اپنے صحابہ کرام کے ساتھ خیبر پر حملہ کر دیا اور دوماہ کے دوران خیبر کے ۱۲ قلعے مکمل طور پر مفتوح ہو گئے

ان حالات میں اہلِ خیبر نے معاہدہ صلح کی درخواست کی۔ معاہدہ صلح کے اہم نکات یہ تھے۔

۱۔ان کو ان کی مزروعہ زمینیں واپس کر دی گئیں۔

۲۔ معاہدے میں مفتوح کی حق تلفی نہ کی گئی۔

۳۔ان کے ہتھیار لے لیے گئے تا کہ دوبارہ لڑائی نہ کر سکیں۔[1]

۳۔معاہدہ فدک:

فدک چھوٹی سی بستی تھی جو خیبر کے شمال میں واقع تھی۔ یہاں بھی یہودی رہتے تھے۔ جب انھیں خیبر کے

یہودیوں کی شکست کا علم ہوا تو انھوں نے اپنا ایک وفد بارگاہِ رسالت میں بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ صلح تحریر کروایا جائے۔ آپ ﷺ نے انھیں بھی اہلِ خیبر کی سی شرائط پر معاہدہ لکھ دیا۔

۴۔معاہدہ تیماء:

وادی خیبر کے شمال میں تیماء ایک چھوٹی سی بستی ہے جس میں یہودی آباد تھے۔ انھوں نے بغیر جنگ کیے اطاعت قبول کر لی تھی۔ پیغمبرِ اسلام ﷺ نے ان سے درج ذیل باتوں پر معاہدہ کیا:

" لن يظلموا ولن يتم ترحيلهم ستبقى أراضيهم معهم[1]

---

[1] ۔ غازی، حامد الانصاری،، **اسلام کا نظام حکومت**، ناشر مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۷، ص: ۳۶۶

ترجمہ: ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ نہ ان کو جلاوطن کیا جائے گا۔ ان کی زمینیں ان کے پاس رہیں گی

۵۔ معاہدہ جربا اور اذرح:

جربا اور اذرح[2] یہ شام کی دو بستیوں کے نام ہیں۔ ان کے ساتھ غزوہ تبوک کے دوران معاہدہ کیا گیا درج ذیل باتوں پر ان سے معاہدہ کیا گیا۔

"۱۔ یہ لوگ سالانہ تین سو دینار جزیہ ادا کریں گے۔

۲۔ ان بستیوں کے تمام اطراف سے محافظت کی جائے گی۔

۳۔ دشمن سے تحفظ دیا جائے گا۔

۴۔ گر مملکت مدینہ کا سزا یافتہ کوئی فرد ان کی بستی میں پناہ لے گا تو اسے حکومتِ مدینہ کے حوالے کیا جائے گا۔"[3]

قبائل سے معاہدات کے سماجی اثرات:

اسلام سے قبل اقلیتوں کے حقوق کا کوئی تصور موجود نہ تھا۔ پیغمبرِ اسلام نے جب ایک اسلامی ریاست مدینہ کی بنیاد رکھی تو آپ ﷺ نے مختلف الجہات معاہدات کے تناظر میں جہاں معاشرے کی اکثریت کو حقوق دیے وہیں اقلیتوں کیے حقوق کی نشاندہی بھی فرمائی۔ اقلیتوں کے ساتھ امن و صلح پر مبنی معاہدات بھی کیے۔ مندرجہ بالا معاہدات جو قبائل سے کیے گئے ان کی سیاسی اور سماجی جہات کچھ یوں ہیں۔

۱۔ مسلمانوں کی حکومت کو تسلیم کرنا

۲۔ جارحانہ کررروائی کا سدِ باب

۳۔ رواداری کا مظاہرہ

۱۔ اسلامی حکومت کی بالادستی قبول کرنا:

"پیغمبرِ اسلام ﷺ نے مختلف قبائل کو دعوتِ اسلام دی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکثر قبائل نے اسلام کی بالادستی کو قبول کیا۔ یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آئے۔ مذہب کے

---

[1] ۔ طبری، محمد بن جریر، **تاریخ الامم والمملوک**، محل نشر بیروت، لبنان، ۱/ ۴۷

[2] ۔ یہ دونوں بستیاں جزیرہ عرب کی سرحد پر واقع ہیں۔ (حوالہ: فتوح البلدان، ص:٦٦)

[3] ۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، **مجموعہ الوثائق السیاسیۃ**، وثیقہ ۱، ص ۲۲

اعتبار سے یہ یہودی اور عیسائی تھے۔ جب پیغمبرِ اسلام ﷺ نے ان کی طرف دعوتِ اسلام کا پیغام بھیجا تو انھوں نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں
ایک وفد بھیجا جنھوں نے معاہدہ صلح تحریر کروانے کی درخواست کی۔"[1]

گویا ان سب قبائل نے سیاسی اور مذہبی اعتبار سے اسلام کی بالادستی کو قبول کر لیا تھا۔ یہی بات اسلامی حکومت کی بالادستی کی ضمانت تھی۔

۲۔ جارحانہ کارروائی کا سدِباب:

رسولِ اکرم ﷺ نے معاہدۂ خیبر میں تحریر فرمایا کہ
"ان سے جنگی اسلحہ لے لیا جائے گا۔"
(اس کا مطلب یہ تھا کہ خیبر کے یہود دوبارہ مدینہ کے خلاف کوئی جارحانہ کارروائی نہ کریں۔)

۳۔ رواداری کا مظاہرہ:

ان معاہدات کا ایک سماجی پہلو یہ بھی ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے اقلیتوں سے معاہدہ قائم کرتے ہوئے ہر لحاظ سے ان کے حقوق کا تحفظ فرمایا۔ جیسا کہ مذکورہ معاہدات میں ذکر ہے کہ
"انھیں مذہبی آزدی حاصل ہو گی اور جبراً اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا اور نہ ان کو ملک بدر کیا جائے گا۔ ان کی زمینیں ان کے پاس ہی رہیں گی۔"[2]

۴۔ تحریر امان:

نبی کریم ﷺ نے بہت سے قبائل کو تحریر امان لکھ کر دی جن کو تحریر امان جاری کیا گیا تو کہا گیا کہ
"ان کے مال و جان کو امان حاصل ہے۔ ان کی زمیوں اور فصلوں کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ وہ اللہ اور رسول کی امان میں ہیں۔"[3]

پیغمبرِ امین ﷺ نے قیامِ امن کے لیے جو جانفشانی اور عرق ریزی سے کام کیا ہے۔ اس میں بنیادی پہلو انسانیت کے حقوق کا تحفظ اور اسلام کی سربلندی ہے۔ مذکورہ بحث کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ قبائل سے جو

---

[1] ۔ مجموعہ الوثائق السیاسیہ، ص:۱۸

[2] ۔ مجموعہ الوثائق السیاسیہ، ص:۱۸

[3] ۔ ایضاً، ص:۱۹

معاہدات کیے اس کا سیاسی پہلو اسلامی حکومت کی سیاسی اور مذہبی بالادستی کو قبول کرنا تھا، جیسے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے تسلیم کر لیا تھا کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو ساری انسانیت کے حقوق و فرائض کو تحفظ عطا کرتا ہے جب کہ سماجی پہلو یہ ہے کہ تحریر امان لکھوا کر ایک پر امن معاشرہ تشکیل دیا گیا جس میں اقلیتوں کے حقوق و فرائض کے تحفظ کی ذمہ داری لی گئی ارو جزیہ کی ادائیگی کو یقینی بنایا گیا۔ عصرِ حاضر میں بھی حکمرانوں کو مختلف ممالک سے معاہدے کرتے ہوئے ان نکات کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے تاکہ اقلیتیں زندگی بسر کر سکیں۔

باب سوم

معاہدات نبوی کی عصری معنویت

فصل اول: معاہدات نبوی سے علمی و فکری استفادہ

فصل دوم: معاہدات نبوی سے مستفاد سیاسی راہنما اصول

فصل سوم: معاہدات نبوی کی سماجی و اخلاقی افادیت

فصل اول

معاہدات نبوی سے علمی وفکری استفادہ

معاہدات نبوی ﷺ کے ثمراتی پہلو کثیر الجہات ہیں۔ان پہلوؤں سے عصر حاضر میں استفادہ کی متعدد جہات ہیں۔آپ ﷺ کے معاہدات مختلف اقوام اور قبائل سے امن وامان کی غرض سے ہوئے۔کیونکہ جب کسی معاشرے میں امن وامان ہو گا تو وہ معاشرہ علمی، فکری، معاشی، سماجی اور اخلاقی طور پر ترقی کی راہ پر گامزن ہو گا۔یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اسلام کی بالادستی اور اسلامی ریاست کے قیام کے لیے مختلف النوع معاہدات کیے۔
ذیل میں معاہدات نبوی ﷺ سے علمی وفکری استفادہ کی چند صورتیں بیان کی جاتی ہیں

اسلام کی ترویج واشاعت کے لیے ممکنہ اقدامات:

اسلام دینِ فطرت ہے ، ایک جامع ، دائمی اور عالم گیر دستورِ حیات ہے۔ یہ وجہ ہے کہ معاہداتِ نبوی کا نمایاں پہلو اسلام کی ترویج واشاعت بھی ہے۔

> "جب پیغمبرِ اسلام ﷺ نے جتنے بھی معاہدات کیے ان کے پیشِ نظر دو چیزیں نمایاں تھیں۔ اسلام کی اشاعت اور امن وامان کا قیام۔ اسی لیے آپ ﷺ نے جتنے معاہدات بھی کیے۔ان کا مقصد اقتدار کا حصول نہیں تھا بلکہ نمایاں مقصد اسلام کی بالادستی اور امن وامان کا قیام تھا۔ جیسے کہ بیعتِ اولیٰ اور ثانیہ کے چند نکات اس کی عکاسی کرتے ہیں۔
> ا۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروگے، زنا نہ کروگے اور اپنی اولاد کو قتل نہ کروگے وغیرہ۔"[1]
> "اس مخلصانہ بیعت کے یہ اثرات مرتب ہوئے کہ ایک سال بعد ہی ۱۳ نبوی میں ۷۰ سے زائد افراد نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی۔"[2]

عصرِ حاضر میں اس بیعت سے استفادہ کی صورت یہ ہے کہ دوسرے ممالک سے معاہدات کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا جائے کہ معاہدات اسلام کی مبادیات کے خلاف نہ ہوں تاکہ وہ معاہدات مستقبل میں عملی اور فکری طور پر تعلیماتِ اسلام کی ترویج واشاعت کا سبب بن سکیں۔

---

[1] ۔بخاری، **صحیح البخاری**، حدیث ۱۸

[2] ۔ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**: ص ۱/ ۶۷۴

قرآن کی تعلیم:

اس بیعت کا دوسرا ثمراتی پہلو "قرآنی تعلیم" کی ترویج ہے۔

"بیعتِ عقبہ اولیٰ میں ایک نمایاں پہلو قرآن کی تعلیم کا فروغ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بیعت مکمل ہو گئی تو آپ ﷺ نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے مصعب! تم ان نو مسلم افراد کے ساتھ یثرب جاؤ تاکہ انھیں اسلام کی تبلیغ کرو اور قرآن کی تعلیم دے سکو۔"[1]

عصرِ حاضر میں اس امر کی ضرورت ہے کہ ہم سرکاری یا حکومتی سطح پر ایسے معاہدات کریں جن کے ذریعے قرآنی تعلیم عام ہو سکے اور حکومت باقاعدہ طور پر دینی مدارس کی مالی اور اخلاقی معاونت کریں اور حکومت اور مدارس انتظامیہ ایسے مشترکہ اہداف و مقاصد پر کام کریں جو قرآنی تعلیم قرآنی تعلیم کے فروغ کا ذریعہ ہے۔

افراد کی فکری تطہیر و تربیت:

پیغمبرِ اسلام ﷺ نے معاشرے کی اصلاح کے ساتھ ساتھ فرد معاشرہ کی اصلاح پر بھی زور دیا ہے کیوں کہ فرد اور سماج دونوں کی اصلاح و تربیت یکساں اہمیت رکھتی ہے۔ اس جانب قرآن کے الفاظ راہنمائی کرتے ہیں کہ

﴿ فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ (٧) وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴾[2]

ترجمہ: تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہو گی وہ اس کو دیکھ لے گا(۸) اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا۔

علمِ دین کا بڑا مقصد فرد اور معاشرے کی اصلاح ہے۔ اسی لیے اسلام ہر فرد می یہ جذبہ عمل بیدار کرتا ہے اور جدوجہد کی اہمیت کو نقش کرتا ہے۔

﴿اِنَّ الْاِنْسَان اِلَّا مَا سَعٰى﴾[3]

ترجمہ: اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

گویا عصرِ حاضر میں اہلِ علم کی بڑی ذمہ داری معاشرے کی اصلاح ہے۔ عصرِ حاضر میں اہلِ علم کی سرپرستی، سرکاری و نجی سطح پر ایسے ادارے قائم کیے جائیں جو اصلاحِ معاشرہ کے لیے باقاعدہ طور پر عملی اقدامات کر سکیں۔

---

[1] ۔ مبارک پوری، صفی الرحمن، **الرحیق المختوم**، المکتبہ السلفیہ، ۲۰۰۰ء، ص ۲۰۷

[2] ۔ الزلزال: ۷، ۸

[3] ۔ النجم: ۳۹

مذہبی آزادی یا مذہبی ہم آہنگی:

پیغمبرِ اسلام نے معاہدات میں مذہبی اور ہم آہنگی کو فروغ دیا جیسا کہ معاہدہ میثاق میں ہے کہ

"مذہبی معاملات میں ریاستِ مدینہ کے باسیوں کو آزادی ہوگی۔"[1]

گویا معاہدہ میثاق کا نمایاں پہلو "مذہبی آزادی" بھی ہے۔

اس ہم آہنگی اور مذہبی آزادی کے فروغ کے لیے پیغمبرِ اسلام نے مکالمے کی فضا کو فروغ دیا۔ جب کوئی اسلام کے بارے میں جاننا چاہتا تھا، آپ ﷺ ان نکات سے گفتگو کی ابتدا کرتے جو یکساں ہوتے ہیں۔ جیسے توحیدِ باری تعالیٰ وغیرہ۔

وفد نجران کی آمد پر رسول اللہ ﷺ کی جانب سے مکالمہ کی عملی تصویر پیش کی گئی۔ ان کے ساتھ جو معاہدہ طے ہوا وہ مذہبی ہم آہنگ کا بین ثبوت ہے۔

"اس معاہدہ کے اہم نکات میں ان کے جان، مال اور عبادت گاہوں کے تحفظ کی ضمانت اور بنیادی حقوق کا تحفظ شامل تھا۔"[2]

اس مکالمہ کے اصول کو قرآن بھی بیان کرتا ہے:

﴿ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴾[3]

ترجمہ: کہہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے دونوں کے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے اس کی طرف آؤ وہ یہ کہ خدا کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو (ان سے) کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم (خدا کے) فرماں بردار ہیں۔

گویا مذہبی ہم آہنگی عصرِ حاضر کی اشد ضرورت ہے۔ آج معاشرے میں بے صبری اور مذہبی تشدد پسندی غالب ہے۔ معاہداتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں حکومتی اور صوبائی سطح پر ایسے پروگرام کا انعقاد کیا جائے جو مذہبی ہم

---

[1] ۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، **مجموعہ الوثائق السیاسیۃ**، ص ۱۵۷

[2] ۔ البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر، **فتوح البلدان**، بیروت، ۱۹۸۷ء، ص ۷۱

[3] ۔ **آل عمران: ۶۴**

آہنگی اور مذہبی رواداری کے فروغ کا باعث بنیں۔ اگر اس معاملے میں سنجیدگی سے عملی اقدامات کیے گئے تو آئے روز پاکستان میں ایسے واقعات رونماہوں گے جن کے اسلام اور مسلمان کی ساکھ کو نقصان پہنچے گا۔ جیسے

" حال ہی میں سیالکوٹ کا واقعہ میں توہینِ مذہب کے جھوٹے الزام میں مشتعل ہجوم کے ہاتھوں سری لنکن منیجر پریانتھا کا قتل ہوا۔"[1]

ایسے واقعات کی روک تھام کے لیے فوری طور پر عملی ممکنہ اقدامات عصرِ حاضر کی ضرورت ہے۔

---

[1] . https://www.bbc.com/urdu/ 12:08 am,**04 Feb,2022**

فصل دوم

معاہدات نبوی سے مستفاد سیاسی راہنما اصول

معاہداتِ نبوی ﷺ کے تناظر میں دینی، مذہبی اور اعتقادی وحدت کے علاوہ سیاسی وحدت کا تصور بھی پایا گیا ہے۔ یہ تصور سیاسی مفہوم کی ایک نئی توسیع تھا جس کی مثال نہیں ملتی۔ مملکتِ مدینہ کے اندر دینی و مذہبی وحدت کے علاوہ دیگر اکائیوں کو ایک جاندار ریاستی کردار عطا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ انھیں ایک ایسا باوقار سیاسی مقام دیا جائے تاکہ وہ اپنے آپ کو ریاست کا ایک عضوِ فعال تصور کرتے ہوئے ذمہ دارانہ کردار کرنا ہے۔

اسی لیے معاہدہ میثاق کے تناظر میں اس میثاق میں شریک ہونے والے تمام فریقوں کو ایک سیاسی وحدت قرار دیا گیا۔ جیسے

"اِنَّهُمْ اُمَّةً وَاحِدَةً مِنْ دُوْنِ النَّاسِ"[1]

ترجمہ: دنیا کے تمام لوگوں کے مقابل میثاقِ مدینہ میں شریک فریقوں کی علیٰحدہ سیاسی وحدت ہو گی۔

میثاقِ مدینہ کے ذریعے پیغمبر اسلام ﷺ نے یہود مدینہ سے مل کر ریاستِ مدینہ قائم کی تھی۔ عصرِ حاضر میں سیاسی وحدت کے استفادہ کی چند صورتیں یہ ہیں۔

۱۔ طبقاتی مساوات

۲۔ احترامِ ووقار

۳۔ صلح جوئی

۴۔ معتدل مزاج قیادت

معاہدات نبوی سے مستفاد سیاسی اصول:

نبی اکرم ﷺ تمام دنیا کے انسانوں کے لیے نورِ ہدایت ہیں۔ آپ ﷺ نے عرب معاشرے میں ۲۳ سال جدوجہد کر کے اسلامی، سیاسی، سماجی اور معاشی طور پر انقلاب برپا کر دیا۔ آپ ﷺ نے ایسا اسلامی معاشرہ تشکیل فرمایا جس کی بنیادی، عدل وانصاف، اسلام کی بالادستی اور معاشی اور سماجی خوش حالی پر استوار تھیں۔ معاہدات

[1] ۔ البدایۃ والنھایۃ، ص ۳/ ۳۲۵

کے ذریعے ایسا نظامِ عدل و انصاف اور تحفظ حقوق و فرائض قائم کیا کہ دوسرے مذاہب کو ماننے والے اسلام کی تعلیمات کے گرویدہ ہو گئے اور اسلام قبول کر لیا۔ آپ ﷺ نے مسلم و غیر مسلم سے کثیر الجہات معاہدے کیے ان معاہدات کی اساس اجتماعی حقوق کی مساویانہ تقسیم ہے۔ ذیل میں معاہدات نبوی ﷺ سے ماخوذ سیاسی اور سماجی اصولوں کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔

سیاسی اصول:

اسلام اک کامل دین ہے۔ اسلامی نظامِ حیات میں عبادت کے ساتھ ساتھ معاملات و معاشرت اور اخلاقیات کو بھی اولین درجہ حاصل ہے۔ اسلام نے جس طرح دوسرے شعبوں میں اصول اور احکامات عطا کیے اسی طرح سیاست کے متعلق بھی اصول و قواعد عطا فرمائے۔ چند سیاسی اصول درج ذیل ہیں۔

۱۔ رسول الہ کی حاکمیت

۲۔ اسلامی ریاست کا قیام

۳۔ سیاسی وحدت

۴۔ صالح معاشرے کا قیام

۵۔ مشترکہ دفاعی استحکام

۶۔ مذہبی آزادی

۷۔ شخصی آزادی

۸۔ مصلاحانہ رویہ

۹۔ دیت کو قصاص پر فوقیت دینا

ذیل میں ان اصولوں کو بیان کیا جاتا ہے۔

حاکمیتِ الٰہی کے ساتھ اطاعتِ رسول اللہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾[1]

[1]۔ النساء:۴

ترجمہ: مومنو! خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں خدا اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو۔

گویا آپ ﷺ نے لوگوں کو اللہ کی حاکمیت سے متعارف کرایا۔ آپ ﷺ کی سیاسی اور مذہبی قیادت کا اصل مقصد وحید یہی تھا کہ لوگوں کو حکمرانی کے اسلوب کے ساتھ روحانی اور فکری اعتبار سے پختہ عقیدے کا حامل بنایا جائے۔

اسلامی ریاست کا قیام:

دوسرا اصول "اسلامی ریاست کا قیام" ہے۔ آپ ﷺ نے جتنے بھی معاہدات کیے ان کے پیشِ نظر ایک مقصد اسلامی ریاست کا قیام بھی تھا۔ یہ وجہ ہے کہ جب آپ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو "معاہدہ میثاق" کے ذریعے ایک ایسی ریاست کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اگرچہ اسلام کے نزدیک ریاست کی تشکیل کوئی مقصد نہیں بلکہ ایک بڑے مقصد کی تکمیل کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ وہ بڑا مقصد ریاست میں ظلم وعدوان کو روکنا اور عدل وانصاف کو قائم کرنا ہے۔ آپ ﷺ کے معاہدات کا سیاسی پہلو نمایاں ہے کہ ایسی ریاست کی تشکیل فرمائی۔ آج تک اس کی مثال نہیں ملتی جو ان صفات کی حامل تھی۔ جیسے اللہ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ﴾[1]

ترجمہ: (اللہ کے نیک لوگ) وہ ہیں اگر انھیں زمین میں اقتدار بخشا جائے گا نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔

یہ وہ نکات ہیں جو اسلامی ریاست کے قیام کا منشاء تھے۔

پیغمبرِ اسلام ﷺ نے بعض ایسے سیاسی معاہدات کیے جن کے پیشِ نظر سیاسی وحدت کی غرض تھی۔ رسولِ پاک ﷺ نے اپنی سیاسی زندگی کے ابتدائی دور میں ہی غیر مسلموں سے کثیر الجہات معاہدے کیے جو سیاسی، مذہبی، سماجی اور معاشی اغراض پر مشتمل تھے۔ آپ ﷺ نے "معاہدہ میثاق" کی ایک شق یہ بھی لکھی کہ

"وَ انہ من تبعنا من لھوا دفان لہ النصر الا سوۃ غیر مظلوم مین ولا متناصرین علیھم"[2]

---

[1] ۔الحج:۴۱

[2] ۔حمید اللہ، ڈاکٹر، **محمد رسول اللہ**، ترجمہ پروفیسر خالد پرویز، قذافی مارکیٹ، لاہور

ترجمہ: یہودیوں میں جو اس معاہدے میں شریک ہوں گے انھیں برابر کی حیثیت حاصل ہو گی۔ ایسے لوگوں پہ ظلم نہ ہو گا اور ان کے خلاف مدد کی جائے گی۔ کہ مدینہ کے سب قبائل سیاسی طور پر ایک ہوں گے اور ریاست مدینہ کی مرکزی حکومت کی پالیسی میں رکاوٹ نہ ڈالیں گے۔

گویا اس بات کی وضاحت کی گئی سب قبائل سیاسی طور پر مسلمانوں کے تابع ہوں گے اور مدینہ کے مشترکہ سیاسی اور دفاعی معاملات میں ایک دوسرے کے معاون ہوں گے۔

"الهم امه واحد من دون الناس"[1]

ترجمہ: (اہلِ قریش) کے خلاف سب ایک (سیاسی وحدت) ہوں گے۔

صالح معاشرے کا قیام:

پیغمبرِ اسلام ﷺ کی سیاسی اغراض میں ایک غرض "صالح معاشرے کا قیام" تھا کیوں کہ آپ ﷺ نے نا صرف سیاسی طور پر بلکہ سماجی، اخلاقی اور مذہبی اعتبار سے بھی "ریاست مدینہ "کا استحکام چاہتے تھے۔ اس لیے آپ ﷺ نے اعمال کی اصلاح پر زور دیا۔ "اعمال" سے مراد نا صرف عبادت بلکہ تمام انفرادی اور اجتماعی اعمال ہیں جن پر مثالی معاشرے کی بقاء منحصر ہے۔ اس تصور کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾[2]

ترجمہ: (مومنو) جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو۔

خاتم الرسل ﷺ نے بھی جو معاہدات کیے ان سے پیش نظر ایک مقصد "اچھے معاشرے" کی تشکیل تھی جن میں اسلامی اقدار کو فروغ مل سکے اور اسلامی معاشرت قائم ہو سکے۔

مشترکہ دفاعی استحکام:

معاہدات کے سیاسی اصولوں میں ایک نمایاں اصول "دفاع کا مشترکہ نظام" ہے۔ آپ ﷺ نے ریاست مدینہ کے اطراف واکناف میں بسنے والے مختلف المذاہب لوگوں سے مشترکہ دفاعی پالیسی کے بارے میں معاہدہ کیا۔

"وَاِ نَّ بينهم النصر على من دهم"[1]

---

[1] ۔ایضاً

[2] ۔ال عمران:۱۱۰

ترجمہ: اگر کوئی گروہ یثرب (مدینہ) پر حملہ آور ہو گا تو معاہدین میں سے ہر ایک (اس کے خلاف) مدد کرے گا۔[1]

اسی طرح بعض قبائل کے ساتھ محض فوجی امداد کی بنیاد پر دفاعی معاہدے کیے تا کہ مدینہ کو بیرونی اور اندرونی سازشوں سے بچایا جاسکے لیکن ان دفاعی معاہدوں میں اعلیٰ ترین فوجی قیادت آپ ﷺ کو ہی حاصل تھی۔

گویا دفاعی نظام میں اشتراکیت سے اسلام منع نہیں کرتا لیکن ایسے معاہدات کرنا جن سے اسلام یا مسلمانوں کی سیاسی، مذہبی یا دفاعی بالادستی کمزور پڑتی ہو ایسے معاہدے سے بچنا ہی اسوۂ رسول ہے۔ گویا دفاعی پالیسی سے درج ذیل مقاصد حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

۱۔ بہتر طور پر اپنی حفاظت کی جاسکتی ہے۔

۲۔ اپنی سرزمین اور معیشت اور معاشرت کی بقاء کا ذریعہ ہے۔

۳۔ دفاعی آلات کی حفاظت کو ممکن بنایا جاسکتا ہے۔

۴۔ دشمن کے کسی بھی فتنے و فساد کا سدِباب کیا جاسکتا ہے۔

۵۔ دشمن کو خفیہ دفاعی پالیسی کے پیشِ نظر زیادہ سے زیادہ نقصان دیا جاسکتا ہے۔

مذہبی آزادی:

حضورِ اکرم ﷺ نے دیگر اقوام یا قبائل سے جس قدر بھی معاہدے کیے وہ معاہدات مذہبی آزادی کا عکاس ہیں۔ جہاں ایک طرف معاہدہ کرنے ولوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کو تحفظ دیا گیا۔ وہی دوسری طرف مذہبی آزادی کا پروانہ بھی دیا گیا۔

ہیں۔ جہاں ایک طرف معاہدہ کرنے ولوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کو تحفظ دیا گیا۔ وہی دوسری طرف مذہبی آزادی کا پروانہ بھی دیا گیا۔

درج ذیل عبارت اکثر معاہدات میں پائی جاتی ہیں جو کہ اسلام کی رواداری کا ثبوت ہے کہ

"لھم الامان علی انفسھم و امواھم و ملکھم"[2]

---

[1] ۔ محمد طفیل، نقوش رسول ﷺ، جلد ۲، ادارہ فروغ اردو، لاہور، ص ۵۷۲

[2] ۔ الوثائق السیاسیہ، ص ۸۷

ترجمہ: ان کے جان ومال کی حفاظت کی جاتی ہے اور ان کے مذہب اور مذہبی رسوم و شرائع میں انھیں آزادی حاصل ہو گی۔ اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔

اسی طرح مختلف ادیان اور مذاہب کے حاملین کو ناصرف عارضی طور پر بلکہ تا قیامت امان نامہ عطا کیا۔ جیسے کہ اہلِ مقناء، حسنین اور خیبر والوں کو لکھا کہ انھیں ان کے بنیادی حقوق کا تحفظ فراہم کیا جاتا ہے۔

"لَکُم ذِمة الله وَذِمّة رَسُوله عَلیٰ اَنفُسِکُم وَ دِینَکُم وَ اَموٰالِکُم وَ رَقِیبَتِکُم"[1]

ترجمہ: پس تمھاری جانیں، تمھارا دین، تمھارے مال، تمھارے رشتہ داروں کو اللہ اور اس کے رسول کی امان میں دیا جاتا ہے۔

گویا مذکورہ بالا بحث اس پر دلیل ہے کہ جس قدر مذہبی آزادی اور رواداری اسلام کے سینے میں موجود ہے کوئی اور مذہب اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

شخصی آزادی:

اسلام بلاوجہ کسی شخص کو شخصی آزادی سے محروم کرنے کی ممانعت کرتا ہے۔ جب تک کسی کے خلاف کوئی جرم یا کوئی تلویث جرم کے شواہد موجود نہ ہوں، جس کی فباء پر عدالت اسے ثابت کرے، قبل اس سے اسے قید کرنے سے منع کیا گیا۔

"اسلام چوں کہ دینِ فطرت ہے اس لیے اس نے کسی بھی معاملے میں افراط و تفریط کی راہ سے ہٹ کر اعتدال کی راہ اپنانے کی ترغیب دی ہے کہ کسی کو بلاوجہ سزا نہ دو۔ اس کی شخصی آزادی سے محروم نہ کرو اگرچہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو۔"[2]

گویا پیغمبر اسلام ﷺ نے جتنے معاہدات بھی کیے ان میں کسی کو شخصی آزادی سے محروم نہیں کیا بلکہ مذہبی اور شخصی آزادی کا تحفظ کیا جب تک کہ وہ کسی جرم کا مرتکب نہ ہو۔

مصالحانہ رویہ:

نبی رحمت ﷺ نے صلح و امن پر مبنی بھی کئی معاہدے کیے کیوں کہ اسلام صلح اور امن کا پیغام لے کر آیا ہے۔ اس لیے اسلامی حکومت کے معاہدانہ پالیسی میں امن و صلح کا رنگ نمایاں ہونا چاہیے۔ طاقت اور قدرت ہونے

---

[1] ۔ الوثائق السیاسیہ، ص ۷۸

[2] ۔ غزنوی، محمد داؤد، **اسلامی ریاست کے اساسی اصول و تصورات**، مکتبہ نذیریہ، ص ۳۸

کے باوجود پیغمبرِ اسلام نے مصالحانہ رویے کو ترجیح دی اور مختلف قبائل کے ساتھ جنگی کارروائی کے بجائے معاہدانہ کارروائی کو ترجیح دی۔ جیسے "معاہدہ حدیبیہ "میں پیغمبرِ اسلام ﷺ نے مصالحت کو ترجیح دی۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔

ا "۔ آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ "دعوتِ اسلام" کی عالمی سطح پر مذاحمت ختم ہو جائے۔

۲۔ نبی کریم ﷺ صلح ہی کو عالمی مشن کی دعوت کی تکمیل اور اثر اندازی کے لیے امن و آتشی اور باہمی تبادلہ خیال کے مواقع کو ضروری سمجھتے تھے۔ یہ مصالحت کی راہ سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ "[1]

اسی مصالحانہ رویے کا ثمر تھا کہ معاہدہ حدیبیہ کے بعد دو سال میں ہی اکثر بڑے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ جیسے خالد بن ولید اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما۔ گویا یہ ایسا سیاسی اصول ہے جس کے ثمراتی پہلو بے شمار ہیں۔

دیت کو قصاص پر فوقیت دینا یا فدیہ کی ادائیگی:

اسلام مسلمان انسانی جان کے ضیاع پر قصاص کے بجائے دیت کو ترجیح دیتا ہے۔ بشر طیکہ مقتول کے وارث راضی ہوں۔ جیسے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ﴾[2]

ترجمہ: ہاں جس کو اس کے فریق کی طرف سے کچھ معافی ہو جائے (مگر پوری نہ ہو) تو (مدعی کے ذمے) معقول طور پر (خون بہا کا) مطالبہ کرنا اور (قاتل کے ذمے) اچھے انداز سے اس کے پاس پہنچا دینا۔ یہ تمھارے رب کی طرف سے آسانی اور مہربانی ہے۔

گویا قرآن کا یہ حکم انسانی جان کی عظمت کا عکاس ہے کہ ایک جان کے قتل کی وجہ سے دوسری زندگی کا خاتمہ ہی نہ ہو جائے کیوں کہ اسلام چاہتا ہے ہ کم سے کم ی خون بہے اور جہاں تک ممکن ہو انسانی تحفظ ہو سکے۔ یہ اصول معاہدات نبوی ﷺ میں بھی نمایاں ہے

---

[1] ۔ سیرت ابن ہشام، ۲ / ۳۳۴

[2] ۔ البقرہ:۱۷۸

فصل سوم

معاہدات نبوی کی سماجی و اخلاقی افادیت

حضورِ اکرم ﷺ نے جتنے معاہدات کیے ان کے پیشِ نظر انسانی معاشرے کے قیام کا ایک اعلیٰ وارفع مقصد موجود تھا اور یہی مقصد قرآن کی نظر میں یوں ہے کہ

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾[1]

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے بنایا اور رکھیں تمھاری ذاتیں اور قبیلے تاکہ آپس کی پہچان ہو بے شک اللہ کے ہاں عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ خبر دار اللہ سب جانتا ہے۔

گویا اس نسبی تفاوت فقط تعارف کے لیے ہے۔ اس لیے نہیں ہے کہ تم اس پر فخر کرو اور دوسروں کی بے عزتی کرو یا انھیں حقیر سمجھو۔

آپ ﷺ نے انھیں اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے متعدد معاہدات کیے۔ آپ ﷺ نے دوسروں کی بے عزتی سے منع کیا ہے۔ اسلام دینِ کامل ہے۔ اس نے زندگی کے تمام معاملات کے بارے میں انسانوں کی کامل رہنمائی فرمائی۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی سے متعلق سنہرے اصول وضع کیے کیوں کہ اسلام ایسا معاشرہ کی تشکیل چاہتا ہے۔ جہاں رواداری، عدل و انصاف، ایفائے عہد کو فروغ حاصل ہو۔ معاہدات سے نبی سے مستفاد چند سماجی اصول درج ذیل ہیں۔

۱۔ صلح رحمی

۲۔ عدل و مساوات کی پاسداری

۳۔ جان و مال کا تحفظ

۴۔ سود کی ممانعت

۵۔ معاہدین کے حقوق کا تحفظ

۶۔ غیر مسلموں کو بطریقِ احسن اسلام کی دعوت دینا

۷۔ احترامِ انسانیت

---

[1]۔ الحجرات:۱۳

۸۔ قیامِ امن کا اصول

۹۔ ایفائے عہد

۱۔صلہ رحمی:

آپ ﷺ نے جو معاہدات کیے ان کا ایک سماجی اصول "صلہ رحمی" ہے۔ "معاہدہ میثاق" اس کی اعلیٰ مثال ہے۔پیغمبرِ اسلام ﷺ نے معاشرے میں رہنے والے تمام انسانوں سے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے۔

حدیثِ مبارکہ میں ہے

((عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: قَالَ اللَّهُ: أَنَا الرَّحْمَنُ وَهِيَ الرَّحِمُ شَقَقْتُ لَهَا اسْمًا مِنَ اسْمِي، مَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهُ .))[1]

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے:" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں رحمن ہوں (بے انتہا رحم کرنے والا) اور یہ قرابت داریاں جسے کہ «(رحم)» کہتے ہیں، اس کا لفظ میں نے اپنے نام سے نکالا ہے، تو جو اپنے عزیز قرابت داروں سے میل جول رکھتا ہے (صلہ رحمی کرتا ہے) میں اس سے جڑتا ہوں اور جو اس کو کاٹتا ہے میں اس سے کٹ جاتا ہوں ۔

گویا معاہدہ کا ایک اصول صلہ رحمی ہے جس کے ذریعے سماجی طور پر معاشرے میں عفوو درگزر کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔

۲۔عدل ومساوات کی پاسداری:

---

[1] ۔ سجستانی، سلیمان بن اشعث، **سنن ابوداؤد**، کتاب الزکوۃ، باب البر والصلۃ، المکتبہ العصریہ، بیروت، ح ۱۶۹۴

(**یہ حدیث صحیح ہے**) تخریج: **الراوي**: عبد الرحمن بن عوف. المحدث: شعيب الأرناؤوط. خلاصة حكم المحدث: صحيح لغيره.

: أخرجه أبو داود (۱۶۹۴)، والترمذي (۱۹۰۷)، وأحمد (۱۶۸۰) واللفظ

عدل و مساوات کسی بھی معاشرے کے استقرار اور استحکام میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔اسی لیے اسے معاشرے کا ایک اہم ستون اور اخلاقی وصف قرار دیا گیاہے۔ جس معاشرے میں عدل ہو گا۔وہ معاشرہ امن و سلامتی کا گہوارہ بنتا ہے۔اس لیے اہل ایمان کو عدل و مساوات کا درس دیا گیا ہے۔

جیسے اللہ کا ارشاد ہے کہ

﴿اِعدِلوا هو اَقرَبُ لِلتَّقویٰ﴾[1]

ترجمہ: تم عدل کرو یہ تقویٰ کے قریب ہے۔

گویا عدل وانصاف اور مساوات معاشرے کی اجتماعی ضرورت ہیں۔اس لیے آقا کریم ﷺ نے عادلین کو خوشخبری سناتے ہوئے فرمایا کہ

((عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ عَلَى يَمِينِ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا))[2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:" انصاف کرنے والے اللہ تعالیٰ کے ہاں نور کے منبروں پر رحمٰن کی دائیں جانب ہوں گے۔ جو عدل کرتے ہیں اپنے فیصلوں میں اور اپنے گھر والوں کے ساتھ اور اپنی رعایا کے ساتھ۔

اسی لیے قیام مساوات کا درس دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ

((مَنْ قَتَلَ عَبْدَهُ قَتَلْنَاهُ، وَمَنْ جَدَعَ عَبْدَهُ جَدَعْنَاهُ))[3]

ترجمہ: جو اپنے غلام کو قتل کرے گا ہم بھی اسے قتل کر دیں گے اور جو اپنے غلام کا کان، ناک کاٹے گا ہم بھی اس کا کان، ناک کاٹیں گے۔

عدل وانصاف "معاہداتِ نبوی ﷺ کا نمایاں سماجی اصول ہے۔

۳۔ جان ومال کا تحفظ:

---

[1] ۔ المائدہ:۵٦

[2] ۔ نسائی، **سنن نسائی**، کتاب قاضیوں کے آداب و مسائل، باب انصاف کرنے والے حاکم کی فضیلت، حدیث **۵۳۸۱** (**یہ حدیث صحیح ہے**) التخریج: أخرجه أحمد (٦۴۸۵)، والنسائي في ((السنن الكبرى)) (۵۹۱۷)، والحاكم

[3] ۔ ترمذی، **السنن الترمذی**، کتاب دیت و قصاص کے احکام، باب غلام کو قتل کرنے کا بیان، حدیث **۱۴۱۴** (یہ حدیث ضعیف ہے) التخریج: أخرجه أبو داود (۴۵۱۵)، والترمذي (۱۴۱۴)، والنسائي (۴۷۳۷)، وأحمد (۲۰۱۰۴) واللفظ لهم، وابن ماجه (۲٦٦۳)

کائنات میں کسی بھی مخلوق کو اتنی فضیلت حاصل نہیں ہے جتنی فضیلت انسان کی جان کو حاصل ہے۔ جیسے قرآن میں ارشاد ہے۔

﴿مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾[1]

ترجمہ: اس قتل کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل کیا کہ جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے اُس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جو اس کی زندگانی کا موجب ہوا تو گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا۔

معاہدات رسول ﷺ بھی مذکورہ آیت کے عکاس ہیں۔

آپ ﷺ نے معاہدین کے جان ومال کے تحفظ کی ذمہ داری لی۔ یہاں تک فرمایا کہ

"جب تک تم معاہدے پر قائم ہو تمھاری جان ومال اللہ اور اس کے رسول کی امان میں ہیں۔"

۴۔ سود کی ممانعت:

"پیغمبرِ اسلام نے جتنے معاہدے بھی کیے ان میں سودی لین دین یا دیگر غیر شرعی امور سے منع فرمایا۔ یہ وجہ ہے کہ اہلِ طائف نے جب معاہدہ میں یہ شرط رکھی کہ ہمٰں سود اور زنا سے مستثنیٰ کیا جائے تو آپ ﷺ نے اس استثنیٰ سے انکار کیا۔ برحال سود کی (وقتی) استثناء یہ دی گئی کہ میلہ عکاظ تک اس امر میں استثنیٰ حاصل ہے بعد ازاں یہ حرمت قطعی اور ابدی ہے۔"[2]

اسی لیے قرآن میں سود کی بابت فرمایا گیا کہ

﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾[3]

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام

سود کو حرام کرنے کی علت یہی ہے کہ دولت صرف مالداروں تک محدود نہ رہے۔ اس ارتکازِ دولت کو روکنے کے لیے سود کو حرام قرار دیا گیا ہے کیوں کہ سود کے حرام ہونے کی وجہ سے سماج کو تحفظ ملتا ہے۔

---

[1] ۔ المائدہ: ۳۲

[2] ۔ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱۸۱

[3] ۔ البقرہ: ۲۷۵

۵۔ معاہدین کے حقوق کا تحفظ:

تعلیماتِ نبوی ﷺ کا سنہری اصول معاہدین کے حقوق کا تحفظ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کثیر الجہات معاہدات ہونے کے باوجود اکثر معاہدات کا ایک نمایاں پہلو حقوق کا تحفظ بھی ہے۔ وہ تحفظ معاہدین کے حقوق کے ساتھ ساتھ غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کو بھی حاصل تھا۔ جیسا کہ معاہدہ کی عبارت ہے۔

"یہودیوں کے (قبائل) کی ذیلی شاکوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو حقوق ان کے اصل کو حاصل ہیں۔"[1]

"پناہ لینے والوں سے بھی وہی برتاؤ ہوگا جو پناہ دینے والوں کے ساتھ کیا جائے گا۔"[2]

گویا اسلام کی نظر میں پوری انسانیت خدا کا کنبہ ہے۔ ہم مسلمان وہ قوم ہیں کہ جن کے نبی ﷺ کو نا صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی صادق و امین کا لقب دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ریاست مدینہ کو مختصر عرصہ میں مثالی معاشرہ بنا دیا۔ حقوقِ انسانی کا تحفظ ہی معاشرے کی اصل معراج ہے کیوں کہ بنیادی انسانی حقوق کا تعلق فرد کی ذات سے ہے اور جس معاشرے میں افراد کے ان حقوق کو سلب کر دیا جاتا ہو تو اس معاشرے کی اجتماعیت اور ترقی ممکن نہیں۔

۶۔ غیر مسلموں کو اچھے انداز میں دعوتِ دین دینا:

پیغمبرِ اسلام نے قرآنی پیغام پر عمل پیرا ہوتے ہوئے جب بھی معاہدات کیے تو غیر مسلموں کو مذہبی آزادی کا اختیار دیتے ہوئے احسن انداز سے دعوتِ دین پیش کی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک قبیلہ کی تالیف قلبی کے لیے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو اسلام قبول کرے گا انھیں کے پچاس پچاس درہم بطور تالیف قلب دیے جائیں گے۔

تمام تر معاہدات اور صلح جوئی کا مقصد اسلام کی دعوت کو عالمِ انسانیت تک پہنچانا تھا اور ضمیرِ انسانی کو کس کے لیے ہموار کرنا مقصود تھا۔ اس لیے اس سلسلے میں قرآنی اسلوب یہ ہے کہ

﴿ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴾[3]

---

[1] ۔ الایفاح، ۳۱ دسمبر، ۲۰۱۵ء، غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کا جائزہ، ڈاکٹر عشرت بصری، ص ۱۶۵

[2] ۔ پروفیسر ڈاکٹر نیاز محمد

[3] ۔ آل عمران: ۶۴

ترجمہ: اہلِ کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر احسن طریقے سے اور صرف انہی سے جھگڑا کرو جو ان میں سے بے انصاف ہیں۔ اور یوں کہو ہم تو صرف اس پر ایمان لاتے ہیں۔ جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے۔ اور جو تمھاری

طرف نازل کیا گیا ہے۔ ہمارا اور تمھارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔

معاہدات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نمایاں سماجی اصول مساوات کا قیام ہے۔ کوئی بھی معاشرہ اس وقت عروج حاصل کرتا ہے جب اس معاشرے میں مساوات کو نمایاں حیثیت حاصل ہو۔ مساوات کا انسان کا نا صرف بنیادی حق بلکہ تمام حقوق کی اساس کہا جاتا ہے۔ قرآن کی نظر میں تمام انسان برابر ہیں۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ﴾[1]

ترجمہ: اے لوگو! تم سب کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا گیا ہے۔

اسی "مساوات" کے عنوان پر ذیل میں حدیث بیان کی جاتی ہے کہ جس کے چند الفاظ ملاحظہ ہوں۔

((عَنِ الزُّهْرِی عَنْ عُرْوَةُ، عَنْ عَائشَةُ رَضِی اللهُ عَنْهَا، اَنَّ اِمْرَاةً مِنْ بَنَى مَخْزُوْمٍ سَرْقَتْ، فَقَالُوْا، مَنْ يَّعكَلِّمُ فِيْهَا النَّبِیَّ صَلی اللهُ عَلَيهِ وَ سَلِم فَلَمْ يَجْتَرِی اَحَدٌ اَنْ يَّكِّمَهُ فَعكَلَّمَهُ اُسَامَهُ ابنْ زَيدٍ، فَقَالَ اِنَّ بَنِیْ اِسرائيْلَ كَانَ اِذَا سَرَقَ فِيْهِمْ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ وَ اِذا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ قَطَعُوْهُ، لَوْ كَانَتْ فَاطِمَةُ لَقَطَعْتُ يَدَهَا))[2]

ترجمہ: زہری روایت کرتے ہیں وہ عروہ سے اور (عروہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ بنی مخذوم کی ایک عورت نے چوری کر لی تھی۔ قریش نے (اپنی مجلس میں) سوچا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس عورت کی سفارش کے لیے کون جا سکتا ہے؟ ان میں سے کوئی اس کی جرات نہیں کر سکا۔ آخر اسامہ بن زید نے اس (بابت) بات کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں یہ (دستور تھا کہ) جب کوئی شریف آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس کے ہاتھ کاٹتے۔ اگر آج فاطمہ رضی اللہ عنہا نے چوری کی ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔

---

[1] ۔ الحجرات: ۱۳

[2] ۔ محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، کتاب المناقب، باب اسامہ بن زید، حدیث نمبر ۳۷۳۳

مذکورہ حدیث میں مساوات کا درس دیا گیا ہے کہ اگر عام مسلمان بھی کسی (ذمی) کو امان دے دے تو سب مسلمانوں کو اس امان کو قبول کرنا چاہیے کیوں کہ سب مسلمانو برابر ہیں۔ یہ وہ نکتہ تھا جسے معاہداتِ نبوی ﷺ میں مرکزی حیثیت حاصل ہے گویا اسلام مساوات کا دین ہے۔

۷۔ احترامِ انسانیت:

قرآن میں ارشاد ہے:

﴿مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم بَعْدَ ذَٰلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ﴾[1]

ترجمہ:

یہ نمایاں اُصول معاہدہ ہے۔ آپ ﷺ نے کسی شخص کو مذہبی، معاشی، سیاسی یا سماجی طور پر حقیر نہیں جانا۔ احترام انسانیت اسلام کا امتیازی وصف ہے۔ اسلام انسانیت کے احترام کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ رسول ﷺ نے معاہدہ "امان و صلح" کرتے ہوئے ان سب کو جان ومال کو تحفظ بخشا۔ کیونکہ اسلام امن کا داعی اور ساری انسانیت کے لیے پیام رحمت ہے۔

۸۔ قیام امن کا اصول:

معاہدات نبوی ﷺ سے متنضاد ایک سماجی اصول "امن کا قیام" ہے۔ ایسے معاشرے کا تشکیل ہے جہاں ظلم و تشدد، فتنہ و فساد کے بجائے معاشرے میں امن و سکون کا راج ہو۔ کیوں کہ پیغمبرِ انقلاب ﷺ کا مقصد یہی تھا کہ زمین پر نیابت کا قیام عمل میں لایا جائے جس کے ذریعے انسان کو روحانی، اخلاقی، مادی ترقی کے اعلیٰ وارفع مدارج تک پہنچایا جاسکے۔ کیوں کہ "اسلام" لفظ امن و سلامتی شاہکار ہے۔ جیسے چند احادیث۔

((لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ فَيَنْمِي خَيْرًا أَوْ يَقُولُ خَيْرًا .))[2]

ترجمہ: وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان اصلاح کی خاطر خبریں بناتا ہے، یا بھلی بات کہتا ہے۔

دوسری حدیث

---

[1] ۔ المائدہ: ۳۲

[2] ۔ بخاری، **الصحیح البخاری**، کتاب الصلح، باب الصلح بین الرجلین، حدیث **۲۶۹۲**

((بَلَغَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ بِقُبَاءٍ كَانَ بَيْنَهُمْ شَيْءٌ فَخَرَجَ يُصْلِحُ بَيْنَهُمْ فِي أُنَاسٍ مِنْ أَصْحَابِهِ))[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ قباء کے قبیلہ بنو عمرو بن عوف میں کوئی جھگڑا ہو گیا ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کئی اصحاب کو ساتھ لے کر ان میں صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلح صفائی کے لیے ٹھہر گئے۔

مندرجہ بالا احادیث کا حاصل یہ ہے کہ معاشرے کو فساد اور بدامنی سے بچانے کے لیے لوگوں کے مابین ہر ممکن کوشش سے صلح کرائی جائے اور پر امن معاشرے کے قیام کے لیے تمام ذرائع بروئے کار لائے جائیں۔

۹۔ ایفائے عہد:

"اسلام عالمگیر مذہب ہے۔ اسلام ایفائے عہد کی سخت تاکید کرتا ہے اور نقض عہد نا کی مذمت کرتا ہے۔ معاہدات کا بنیادی اور مرکزی اصول "ایفائے عہد" ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے جو بھی معاہدات کیے ان کو پورا فرمایا لیکن ان سب معاہدات کی نوعیت آزادانہ اور خود مختاری کی تھی۔ اسلام ایسے معاہدات کی اجازت نہیں دیتا جو اسلام کی مبادیات پر اثر انداز ہوں۔"[2]

یہی وجہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے کوئی بھی ایسا معاہدہ نہیں کیا جو شریعت یا مقاصد شریعت کے اصولوں کے خلاف ہو۔

مندرجہ بالا سیاسی اور سماجی اصولوں کے تناظر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ پیغمبر انقلاب ﷺ نے نا صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کے بھی سماجی، سیاسی، معاشرتی حقوق کو تحفظ دیتا ہے اور ایسے معاہدات کے انعقاد کا حکم دیتا ہے جو شریعت کے بنیادی اصولوں کے متصادم نہ ہوں۔ جو اسلام کی مبادیات کے خلاف ہوں، اس سے منع کرتا ہے۔ گویا پیغمبرِ اسلام ﷺ نے ان اصولوں کی روشنی میں ایسی عہد ساز اور مثالی معاشرت کی بنیاد رکھی جو قیامت تک کے لیے آنے والی تمام ریاستوں کے لیے بہترین نمونہ ہے۔

عصری راہنما اصول

سیرتِ طیبہ ﷺ ہمارے لیے زندگی کے ہر شعبہ میں مرجع فیض ہدایت ہے۔ حضور ﷺ کے معاشی، سماجی، مذہبی معاہدات و معاملات سے نفوذ شدہ چند عصری راہنما اصول درج ذیل ہیں۔

---

[1] ۔ بخاری، **الصحیح البخاری**، ح۲۱۸۷

[2] ۔ محمد صدیق، پروفیسر، رسولِ اکرم کی سیاست خارجہ، قنطار پبلی کیشنز، ص ۱۳۵

۱۔ ایفائے عہد

۲۔ احترامِ انسانیت اور وحدت کی پالیسی

۳۔ غیر مسلموں سے مساویانہ معاملات

۴۔ مبادیات اسلام کے خلاف معاہدات کی تنسیخ

۵۔ اصول امن کی تنفیذ

۶۔ ظلم کا سد باب

۷۔ بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ

1۔ایفائے عہد:

اسلام کی تعلیمات میں ایفائے عہد کو مرکزیت حاسل ہے۔ اسلام ہر قسم کے عہد کی پاسداری کا حکم دیتا ہے۔ خواہ وہ عہد مسلم یا غیر مسلم کسی سے کیا گیا ہو۔ مذہب کی تقسیم سے بالاتر ہو کر عہد کی تکمیل کا حکم دیتا ہے۔ جیسے قرآن میں ہے کہ

﴿وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ﴾[1]

ترجمہ: اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم اس سے کوئی عہد باندھو۔

کسی بھی معاشرے میں معاہدوں کی پاسداری کرنے سے ہی وہ معاشرہ عدل و انصاف، مساوات اور اخلاقی امداد کا داعی بن سکتا ہے۔ عصرِ حاضر میں ضروری ہے کہ جب بھی قومی یا بین الاقوامی طور پر کوئی معاہدہ کیا جائے تو اس معاہدے پر قائم رہنا ہی اصل کامیابی ہے۔ معاہدہ کی پاسداری میں کسی قسم کی لیت و لعل سے کام لینا، اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ اور عدل و مساوات پر قائم معاشرہ کی تشکیل میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ **عصر حاضر** میں معاشرہ "نقضِ عہد" کی بیماری میں مبتلا ہے جس کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں اخلاقیات ناپید ہوتی جا رہی ہیں اور ہر سطح پر بے یقینی اور بے اعتمادی نے اپنے پنجے گاڑھ رکھے ہیں۔

---

[1] ۔ النحل: ۹۱

۲۔احترامِ انسانیت اور وحدت کی پالیسی:

دینِ اسلام احترامِ انسانیت کا داعی ہے۔مذہب اور ملت کی تخصیص کے بغیر اسلام نسلِ انسانی کی وحدت کا پیغام لے کر آیا ہے۔ اسلام مسلم اور غیر مسلم شہریوں کے باہمی تعلقات کی بنیاد احترامِ انسانیت کی بنیاد پر رکھتا ہے۔ حدیثِ نبوی ﷺ ہے کہ

((وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ))[1]

ترجمہ: جس نے عصبیت کی طرف بلایا وہ ہم سے نہیں

گویا عصرِ حاضر میں احترامِ انسانیت کا فروغ معاشرتی ضرورت ہے۔ کیونکہ مذاہبِ عالم میں بھی احترامِ انسانیت کا درس دیا گیا ہے اور مہذب اقوام کی ترقی کا راز بھی احترامِ انسانیت میں ہی مضمر ہے۔ اسلام کی نظر میں ہر انسان محترم ہے۔ چاہے اسکا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو۔ **عصرِ حاضر** میں درج ذیل اقدامات ناگزیر ہیں۔

"۱۔ قومی اور بین الاقوامی سطح پر ایسے قانون بنائے جائیں جو احترامِ انسانیت کا عکاس ہوں۔

۲۔ گھروں میں بڑے چھوٹوں کا احترام انسانیت پر درس دیں۔

۳۔ علمی، ادبی محافل میں احترامِ انسانی کے فروغ کے لیے اس موضوع پر لیکچر دیئے جائیں۔"[2]

۳۔ غیر مسلموں سے مساویانہ معاملات:

اسلام اقلیتوں اور غیر مسلموں کو بھی اسلامی ریاست میں مساویانہ حقوق فراہم کرتا ہے۔ اسلام امن پسند غیر مسلموں سے احسان کی ممانعت نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں اس بابت ارشاد ہے

﴿وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ﴾[3]

ترجمہ: اہلِ کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقے سے سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہوں۔

گویا عصرِ حاضر میں بھی اسلامی ریاست میں غیر مسلم (غیر متحاربین) سے (اچھائی) احسان کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ مساویانہ معاملات کے پیشِ نظر امام سرخسی فرماتے ہیں کہ

---

[1] ۔ **سنن ابوداؤد** ، کتاب الاداب، باب فی العصبیہ، ح ۴۴۵۶

[2] ۔ عاصمہ عمران بشیر، ایکسپریس نیوز، جمعہ ۲۰ اکتوبر ۲۰۱۷ء

[3] ۔ العنکبوت: ۴۶

"الامر بيننا وَ بينالكفار " عَلىٰ المجازات" ہمارے اور غیر مسلموں کے درمیان معاملات (برابری) مجازات کی بنیاد پر ہوں گے۔"[1]

اسی اصول کی بنیاد پر امام سرخسی یہ اصول دیا ہے کہ

"مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان یا مسلم ریاست یا غیر مسلم ریاست کے درمیان معاملات اور تعلقات مجازات (برابری) کی بنیاد پر ہوں گے۔"

اسی اصول کی بنیاد پر **عصرِ حاضر** میں غیر مسلم مندوبین کے لیے پروٹوکول اور دیگر حفاظتی اقدامات کا اہتمام کرنے کا جواز موجود ہے کیوں کہ وہ مسلم مندوبین کے لیے بھی اپنے ملک میں ایسے ہی حفاظتی اقدامات کا اہتمام کرتی ہے۔

۴۔ مبادیات اسلام کے خلاف معاہدات کی تنسیخ:

پیغمبرِ اسلام ﷺ نے جب بھی دوسری اقوام یا قبائل سے معاہدات کیے تو اس بات کو ملحوظِ خاطر رکھا کہ ایسے معاہدات جو اسلامی اصول و قواعد کے منافی ہوں ان سے اجتناب کیا اور اپنے صحابہ کو بھی اس کی تلقین کی جیسے "بدو ثقیف" نے ایسی باتوں پر معاہدہ کرنا چاہا جو اسلام کی تعلیمات کے خلاف تھی تو آپ ﷺ نے ان شرائط کو منظور نہ کیا۔ البتہ ان کی اصلاح کے لیے جن چیزوں میں وقتی استثنائی دیا ان کی شرائط میں سے چند یہ تھیں۔

"۱۔ سود سے نہ روکا جائے

۲۔ نماز سے مستثنیٰ کیا جائے

۳۔ زنا سے منع نہ کیا جائے وغیرہ"[2]

آپ ﷺ نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا۔ البتہ سود کے لیے وقتی طور پر (عکاظ کے میلہ) کی وجہ سے استثنیٰ دی۔

گویا **عصرِ حاضر** میں مسلم ممالک جب بھی کسی غیر مسلم ممالک یا غیر مسلم قوم سے سماجی، سیاسی، عسکری، معاشی نوعیت کا معاہدہ کریں تو مسلم ممالک اور مسلم حکمرانوں کے لیے لازم ہے کہ ایسی شرائط پر معاہدہ نہ کریں جس سے اسلامی تعلیمات یا اسلامی تشخص کو نقصان پہنچے۔

۵۔ اصول امن کی تنفیذ:

---

[1] ۔ السرخی، شمس الدین ابو بکر بن محمد الاسماعیل، **المبسوط**، ۱۹۷۸ء، ص ۲۳۵

[2] ۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، رسولِ اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۲۹۹

"معاہدات نبویہ ﷺ کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد معاشرے میں امن و امان کا نفاذ ہے۔ آپ ﷺ نے جتنے معاہدات بھی کیے ان کے پیشِ نظر ایک مقصد معاشرے میں امن و سکون کا قیام بھی تھا۔ عصرِ حاضر میں بھی حکومتی نمائندوں یا سربراہان کی ذمہ داری ہے کہ ایسے قومی یا بین الاقوامی سطح پر ایسے معاہدات قائم کریں جس سے معاشرے میں امن و امان کی فضا قائم ہو سکے اور جو معاہدات بھی کیے جائیں ان کو پورا کرنا ضروری ہے تا کہ معاشرہ خوش حال اور امن و امان کا ضامن بن جائے۔ اگر معاہدات کرنے کے بعد ان کو پورا نہ کیا جائے تو معاشرے میں بے چینی اور بے یقینی کی کیفیتی پیدا ہو گی جو معاشرتی امن و سلامتی کے لیے خطرہ کی علامت ہے۔ یہ وجہ ہے کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ نے معاہدات ایمان کو فروغ دیتے ہوئے معاہدین میں سے ہر ایک کو جان و مال اور عزت کا تحفظ فراہم کیا، اسی طرح "معاہدہ میثاق" بھی اسی امن کا عکاس ہے۔"[1]

جیسا کہ

"معاہدہ تاشقند[2] اور معاہدہ شملہ[3] کے نکات کے تناظر میں دیکھا جائے تو دونوں معاہدوں میں مرکزی نقطہ امن و امان کا نفاذ اور تمام تنازعات کا پر امن طریقے سے حل تھا لیکن بعد ازاں بھارت نے عہد شکنی کرتے ہوئے مشرقی پاکستان میں کھلی جارحیت کی جس کی وجہ سے بے چینی اور بے یقینی کی جو فضا قائم ہوئی اس کے اثرات آج بھی نمایاں ہیں۔"[4]

۶۔ ظلم کا سدِباب:

معاہدات نبوی کا ایک اہم اصول "ظلم کا سدِباب" ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی رحمت ﷺ نے جس قدر

---

[1] ۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص ۴/ ۲۵۵

[2] ۔ ۱۹۶۶ء میں پاکستان کے سابق صدر محمد ایوب خان اور بھارت کے وزیرِ اعظم آنجہانی لال بہادر شاستری کے درمیان تاشقند کے مقام پر معاہدہ ہوا، یہ معاہدہ "معاہدہ تاشقند" کہلاتا ہے۔

[3] ۔ ۱۹۷۱ء کی جنگ کے بعد پاکستان کے سابق صدر (ذوالفقار علی بھٹو) اور بھارتی وزیر اعظم مسٹر اندرا گاندھی کے درمیان دونوں ملکوں کے مابین امن پالیسی کے قیام کے سلسلے میں ۲۸ جون تا ۳ جولائی ۱۰۷۲ء کی گفت وشنید کے نتیجہ میں ایک معاہدہ طے پایا جسے معاہدہ شملہ کہتے ہیں۔ (حوالہ: بشیر احمد، تاریخ اسلام، ایورنیو بیک پیلس، لاہور، ص ۶۵)

[4] ۔ آئینہ کشمیر، محمد عبد اللہ قریشی،، مطبوعہ کانپور، ۱۹۸۱ء، ص ۱۶۷

حلیفی معاہدات کیے اس میں اس امر کی یقین دہانی کرائی کہ کسی پر ظلم نہیں ہو گا اور ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کی جائے گی۔

عصرِ حاضر میں اس امر کی ضرورت ہے کہ مسلم ممالک بین الاقوامی سطح پر ایسی نوعیت کے معاہدات عمل میں لائیں جو بالعموم دنیا کے سارے مظلوم مسلمانوں اور بالخصوص ساری انسانیت کی امداد کے عکاس ہوں۔ اس کی عملی صورت یہ ہے کہ تمام اسلامی ممالک کی تنظیم (O.I.C) آپس میں مشترکہ نوعیت کے دفاعی معاہدات کریں جس کے پس منظر میں کسی ایک اسلامی ملک پر حملہ سارے اسلامی ملک پر حملہ متصور کیا جائے اور عمومی طور پر مسلم اور گیر مسلم کی تمیز کیے بغیر ظالم کے خلاف کارروائی کی جائے۔ اس کے لیے اسلامی ممالک کو اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم پر بھی مشترکہ مؤقف اپنا کر مؤثر مؤثر انداز میں اپنی آواز بلند کریں اور اجتماعی طور پر سلامی کونسل میں ویٹو پاور کا حصہ بن کر اسلام اور مسلمانوں کی سالمیت کے لیے اجتماعی طور پر مل کر کام کریں۔

"تاہم اس مؤقف پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ اختیار سلامتی کونسل[1] کو حاصل ہے۔ اس کے علاوہ کسی ریاست کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ انفرادی طور پر ریاست کے مظلومین کی مدد کریں۔ یہ وجہ ہے کہ ۱۹۷۱ء میں بھارت نے مشرقی پاکستان میں کارروائی کے لیے یہ جواز بنایا گیا کہ پاکستانی فوج بنگالیوں پر مظالم ڈھا رہی تھی۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ کشمیر اور فلسطین کے مظلومین کی امداد کے لیے مسلم ممالک مل بیٹھ کر سالمی کونسل سے مشاورت کریں اور ایسے معاہدات امن کا عمل قیام میں لایا جائے جس سے بالخصوص مسلم اور بالعموم ساری انسانیت ظلم و بربریت کا نشانہ بننے سے محفوظ ہو جائے۔"[2]

۷۔ بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ:

اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔ ان کو بہت سارے حقوق عطا کیے۔ یہ حقوق اسے بغیر رنگ و نسل اور مذہب کی تفریق کے ملے ہیں۔ ان حقوق کی فراہمی میں تمام افراد یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ معاہدات نبوی ﷺ بھی انہی حقوق کے آئینہ دار ہیں۔

انسان کے بنیادی اور فطری حقوق کے تحت جن جن امور کو شامل کیا جاتا ہے ان میں حقوق اِنسانی کا جامع ترین تصور، انسانی مساوات کا حق، انسانی عزت و آبرو کی حفاظت، انسانی جان و مال اور جائیداد کی حفاظت، مذہبی آزادی کا

---

[1] ۔ اسلامی اور عصری نقطہ نظر میں ماہرین کی نظر (بین الاقوامی قوانین میں بہت سے اختلافات اور تضادات ہیں، طوالت کے باعث یہاں بیان نہیں کیا جاتا۔

[2] ۔ مشتاق احمد، **جہاد اور معاصر بین الاقوامی قوانین**، ماہنامہ الحق، جون تا اگست، ۲۰۰۵ء

حق، آزادئ ضمیر کا حق ضروریات زندگی کا انتظام، انسانی حقوق میں فرد و معاشرے کی رعایت، اور اسی طرح انسانوں کے معاشی و ثقافتی اور تعلیمی حقوق نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔[1]

گویا آپ ﷺ نے جتنے معاہدات کیے۔ ان میں انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے عملی اقدامات کیے۔

عصر حاضر میں ضرورت اس امر کی ہے کہ دوسروں ملکوں سے ایسے معاہدات نہ کیے جائیں جو انسان کے سماجی، معاشی، معاشرتی اور اخلاقی بدحالی کا ذریعہ بنے۔ جیسے ہماری حکومتوں کا آئی ایم ایف کی شرائط ماننا

دفاعی پالیسی کے محرکات:

معاہدات نبوی ﷺ کا "اصول دفاع" بھی کسی بھی ملک کی سالمیت کا اہم جزو ہے۔ "معاہدہ میثاق" کا ایک مرکزی نکتہ ریاستِ مدینہ کی سالمیت کا تحفظ تھا یہ وجہ ہے کہ پیغمبرِ اعظم ﷺ نے ریاستِ مدینہ کی سالمیت کے پیشِ نظر مدینہ کے اطراف واکناف میں دوسری اقوام وقبائل سے معاہدات کیے۔ اس اصول کے پیشِ نظر عصرِ حاضر میں ریاست پاکستان کی سالمیت کے لیے دوسرے ممالک کے ساتھ دوستی کے معاہدات کیے جاسکتے ہیں خواہ اس کی نوعیت کوئی بھی ہو لیکن معاہدین میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ اس معاہدے کی پاسداری کریں کیوں کہ عہد خلافی کی صورت میں معاشرے میں امن و امان کی ساکھ متاثر ہوتی ہے۔ عصرِ حاضر میں پاک کشمیر کی سرحدی " جنگ بندی" کے معاہدے کے باوجود آئے روز انسانی جانوں کے ضیاع کے ساتھ ساتھ ملکی و سرحدی امن و امان بھی پامال ہوتا ہے اور اگر مسئلۂ کشمیر کو معاہدہ حق خود ارادیت کے ذیرے حل کروادیا جائے تو یہ امر دونوں پڑوسی ملکوں کی سرحدی تحفظ اور معاشی استحکام کا ضامن ہے۔

بقول سیّد علی گیلانی کہ

> "مسئلۂ کشمیر پر ۲۰۱۵ء میں جو او۔ آئی۔ سی کا اجلاس ہوا تھا اس اجلاس میں بھی بھارتی شب خون اور کشمیری عوام کے مؤقف کو بھرپور انداز میں پیش کیا گیا۔ وہ مؤقف یہ تھا کہ مسئلۂ کشمیر کو کشمیری عوام کی امنگوں اور اقوام متحدہ کی متعلقہ قراردادوں پر عمل درآمد کے ذریعے حل ہونا چاہیے۔"[2]

---

[1] ۔ عبدالروف، ڈاکٹر، **عصر رواں سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں**، مکتبہ قدوسیہ لاہور ۲۰۱۲، ص ۳۶

[2] ۔ کشمیر نیوز، کالم، شیخ جواد حسین، جمعرات، ۲۳ ستمبر، ۲۰۲۱ء

اسی طرح عصرِ حاضر میں افغانستان کے ساتھ ایسے معاہدے کیے جائیں جو ہمارے ملکی، معاشی، سماجی، سیاسی، دفاعی سالمیت کی علامت ہوں تا کہ سالمیت کو نقصان نہ پہنچے۔

دفاعی اصول:

حضورِ اکرم ﷺ نے سربراہ ریاست کی حیثیت سے دفاع ریاست کے لیے ایسی جامع دفاعی پالیسیوں کا نفاذ کیا جس کی وجہ سے ریاستِ مدینہ کو مقافاتی قبائل سے حملے کا متوقع خطرہ ٹل گیا۔ ریاستِ مدینہ کے دفاع کو یقینی بنانے کے لیے وہ تمام اقدامات کیے گئے جو اس سلسلے میں ضروری تھے۔ دفاعی پالیسیوں کی تنفیذ و تنقیح میں اعلیٰ اختیار رسول ﷺ کے پاس تھا۔ آپ ﷺ نے امن اور دفاع کے لیے کئی معاہدات کیےی۔ یہی وجہ ہے کہ ان معاہدات کے تناظر میں چند دفاعی اصول و قواعد مترشح ہوئے جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ مشترکہ دفاع

۲۔ دفاعی اور عسکری اختیار یا اطاعتِ امیر

۳۔ امن کا قیام

۴۔ چاک و چوبن رہنا

۵۔ مستقل فوج کی تیاری

۱۔ مشترک دفاع:

"پیغمبرِ اسلام ﷺ نے "معاہدہ میثاق" میں مشترک دفاع کی پالیسی کو دفع کیا تا کہ ریاستِ مدینہ کے دفاع کو استحکام حاصل ہو۔ اس کے لیے آپ ﷺ تمام افرادِ معاشرہ اور باشندگانِ ریاست کی مشترکہ ذمہ داری لگائی کہ اگر کوئی دشمن مدینہ کی ریاست پر حملہ آور ہو تو تمام لوگ ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور فوج میں جو بھی اخراجات ہوں گے وہ ہر قبیلہ اور ہر محلہ خود برداشت کرے گا چوں کہ ریاست کا باقاعدہ مرکزی مالیاتی ادارہ یا مرکزی خزانہ نہ تھا اس لیے یہ طریقہ کار وضع کیا گیا کہ لوگ اپنی صوابدید پر ایک دوسرے کی (جانی اور مالی) امداد کریں گے اور رضاکارانہ بنیادوں پر ریاست کے دفاع کے لیے اپنا کردار ادا کریں گے۔"[1]

۲۔ اطاعتِ امیر

---

[1] ۔ طاہر القادر، ڈاکٹر، **سیرتِ رسول کا آئینی اور دستوری اہمیت**، منہاج القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء، ص ۱۰۶

دفاعی اصول کا ایک پہلو "اطاعتِ امیر" بھی ہے۔ یعنی جو فوج یا لشکر کا سربراہ ہوتا ہے۔ اس کی اطاعت ضروری ہے۔ کیوں کہ جس قدر سربراہ احکام کی تعمیل کی جائے گی اسی قدر دفاع مضبوط ہو گا۔ اطاعتِ امیر کے بارے میں فرمانِ رسول ﷺ ہے کہ

((مَن کَرِہَ مِن اَمِیرِہٖ شَیاءً فَلیَصبِر عَلَیهِ فَاِنَّهٗ لَیسَ اَحَدٌ مِنَ النَّاسِ خَرَجَ مِنَ الشیطَانِ شِبرٌ ضَماتَ عَلَیهِ اِلَّا مَاتَ مَیتةٌ جَاهِلِیةً))[1]

ترجمہ: جو شخص اپنے امام کی کسی بات پر ناخوش ہو تو اسے چاہیے کہ وہ صبر کرے پس کوئی شخص اپنے امیر کی اطاعت میں ایک بالشت بھی الگ ہو گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

گویا امیر کی اطاعت فلاح کی ضامن ہے جب کہ اس کی نافرمانی ناکای اور نامرادی کی طرف لے جاسکتی ہے۔
رسولِ اکرم ﷺ نے بھی اس اصول کے پیشِ نظر مختلف طبقات سے معاہدات کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ

"جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا اسے جان و مال کی حفاظت حاصل ہو گی۔"

جیسا کہ معاہدہ کے الفاظ ہیں کہ

((وَاِنَّهُ لَا کَخرُجُ مِنهُم اَحَدٌ اِلَّا بِاذنِ اللّٰهِ))

ترجمہ: اور یہ کہ محمدؐ ﷺ کی اجازت کے بغیر فوجی کارروائی کے لیے کوئی نہیں نکلے گا۔ یعنی جنگی مہمات میں حتمی حکم حضرت محمد ﷺ کا ہو گا۔

"Final command and Authority in military Expedition vests in the Prophet Muhammad (S.A.W)"[2]

ترجمہ: امیر کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ جنگی مہمات میں حتمی ہو گا۔

۳۔ امن کا قیام

نبیِ رحمت ﷺ نے مختلف اقوام اور قبائل سے جس قدر معاہدات کیے ان کا ایک مقصد امن و امان کی فضا قائم کرنا بھی تھا کیوں کہ کسی بھی ملک کے اندرونی فضا کا سازگار ہونا اس کے سرحدی دفاع کو مضبوط بناتاہے۔ اگر ریاست کی اندرونی فضا کمزور ہو گی تو سرحدی دفاع بھی کمزور ہو گا۔ اسی لیے معاہداتِ نبویہ کا ایک عملی پہلو امن و امان کا قیام بھی ہے۔

---

[1] ۔ القشیری، مسلم بن حجاج، باب الامر، ح ۱۴۷۶

[2] ۔ طاہر القادر، ڈاکٹر، میثاق مدینہ کا آئینی تجزیہ، ص ۴۹

آپ ﷺ نے ریاست کے باندگان کو جان و مال کو تحفظ فراہم کیا۔ جیسا کہ معاہدات امان اور دیگر معاہدات اس کی عملی تصویر ہیں۔ جیسے "معاہدہ میثاق" کے الفاظ ہیں کہ

((وَاِنَّهُ مَن خَرَجَ آمِنٌ وَ مَن قَعَدَ آمِنٌ بِالمَدِينَةِ اِلَّا مَن ظَلَمَ وَ اَثِمَ)) [۱]

ترجمہ: اور جو جنگ کو نکلے وہ بھی امن کا مستحق ہے اور جو مدینے میں بیٹھا رہے وہ بھی امن کا مستحق ہو گا۔ سوائے اس کے جو ظلم اور قانون شکنی کا مرتکب ہو۔

اسی طرح قبیلہ بنو غفار اور قبیلہ جہینہ سے معاہدہ کرتے ہوئے فرمایا:

"ان لوگوں کے جان اور مال اللہ اور اس کے رسول کے ذمے ہیں۔ اگر کوئی اس پر ظلم کرے گا تو اس کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی۔" [۲]

---

[۱] ۔ایضاً، ص

[۲] ۔الوثائق السیاسیۃ، ص ۲۷۰

چاک وچوبند رہنا:

دفاعی پالیسیوں کا ایک اہم نکتہ دفاعی لشکر کا چاک وچوبند بھی ہونا ہے۔ قرآن بھی اس بابت ہماری رہنمائی فرماتا ہے کہ

﴿وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَاحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضَىٰ أَن تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا﴾[1]

ترجمہ: کافر اس گھات میں ہیں کہ تم ذرا اپنے ہتھیاروں اور سامان سے غافل ہو جاؤ تو تم پر یکبارگی حملہ کردیں اگر تم بارش کے سبب تکلیف میں یا بیمار ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ہتھیار اتار رکھو مگر ہوشیار ضرور رہنا خدا نے کافروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

علامہ مودودیؒ اس آیت کی بابات "تفہیم القرآن" میں لکھتے ہیں کہ

"یہ احتیاط جس کا تمھیں حکم دیا گیا ہے، محض دنیوی تدابیر کے لحاظ سے ہے ورنہ دراصل فتح و شکست کا مدار تمھاری تدابیر پر نہیں بلکہ اللہ کے فیصلہ پر ہے۔"[2]

مستقل فوج کی تیاری:

دفاعی اصولوں میں سے نمایاں اصول "مستقل فوج کا قیام" بھی ہے، جیسا کہ قرآن میں بیان ہے کہ

﴿وَاَعِدُّوا لَهُم ۔ ۔ ۔ ۔ وَ مِن رِبَاطِ الخَيلِ﴾[3]

ترجمہ: اور تم لوگ تمھارا بس جہاں تک ہے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان (کافروں) کے مقابلے کے لیے تیار رکھو۔

مندرجہ بالا "دفاع کے اصول" کا حاصل یہ ہے کہ پیغمبرِ انقلاب ﷺ نے ریاستِ مدینہ کے دفاع کے لیے وہ تمام تر ضروری اقامات کیے جن کے باعث ریاستِ مدینہ کی سرحدوں کا دفاع مضبوط ہوا اور ریاست امن و امان اور خوشحالی کا گہوارہ بن گئی۔ سیرتِ رسول ﷺ کی روشنی میں خارجہ پالیسی کے حوالے سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ

---

[1] ۔ النساء:۱۰۲

[2] ۔ تفہیم القرآن، ص ۱/۳۹۱

[3] ۔ الانفال:۱۲۹

"اسلام نے جنگ پر امن کو فوقیت دی ہے۔ اسلام کی کسی قسم کی شدت پسندی اور افراتفری کو پسند نہیں کرتا۔ اسی لیے دفاعی اصول بھی معاشرتی اور علاقائی امن وامان کا عکاس ہیں۔

پیغمبرِ انقلاب ﷺ نے معاہدات کی بنیاد عدل وانصاف، مساوات، حقوق وفرائض کے تحفظ پر رکھی ہے۔ اسی لیے اس بابت فرمایا

﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾[1]

ترجمہ: اور عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے میں ضرور پرسش ہو گی۔

معاہدات محض لفظی عبارات سے قوت حاصل نہیں کرتے بلکہ وہ ان کے عقد کرنے والوں کے ایفائے عہد پر منحصر ہے۔ اسلام ایفائے عہد کی ترغیب دیتا ہے کیوں کہ عہدوں کی وفا نا صرف قوی لوگوں کے لیے بلکہ قوی و ضعیف سب کے لی ہوتی ہے کیوں کہ اسلام معاہدات کی پاسداری کو نا صرف قانونی ذمہ داری قرار دیتا ہے بلکہ اخلاقی، مذہبی، معاشرتی ذمہ داری قرار دیتا ہے۔ معاہدات کی جو اصولیات مذہبِ اسلام میں پائی جاتی ہیں دیگر مذاہب میں یہ اقدار واصولیات ناپید ہیں۔

---

[1] ۔الاسراء: ۳۴

خلاصۂ بحث

اسلام ابدی اور دائمی مذہب ہے اور۔ دینِ اسلام کا ایک نمایاں اصول "ایفائے عہد" ہے۔

گویا باہمی معاہدوں کا انعقاد اور ان کی پاسداری کا خیال رکھنا سیرتِ نبوی ﷺ کا ایک روشن باب ہے کیوں کہ سیرتِ طیبہ میں معاہدہات نبوی کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ معاہداتِ نبوی کے کئی پہلوؤں کی مختلف انداز میں بیان کیا جاتا ہے جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ نظام نا صرف انسانی زندگی کو تحفظ فراہم کرتا ہے بلکہ اجتماعی عدل کو یقینی بناتا ہے۔

اس تحقیقی مقالے میں ان تمام عوامل پر بحث کی گئی ہے کہ

معاہدات نبوی کے سماجی اثرات کیا ہیں؟ اسکے عصرِ حاضر میں کیا اثرات ہو سکتے ہیں؟ سماجی، معاشی، معاشرتی، دفاعی اور سیاسی اثرات سے کس طرح اصول وضع کیے جاسکتے ہیں؟ اور ان سے استفادہ کی کیا صورتیں ہیں؟

معاہدات نبوی ﷺ کی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ تمام معاہدات جائز امور پر کیے گئے اور حرام شرائط پر معاہدہ کو تسلیم نہیں کیا گیا۔

عدل و انصاف پر مبنی مختلف اقوام و قبائل سے معاہدات کیے گئے۔

دوطرفہ تعاون، روادار، مذہبی و سماجی آزادی ان معاہدوں کے نمایاں پہلو ہیں۔

آخر میں معاہدات نبوی ﷺ سے مستفاد عصری اصولوں کا ذکر کیا گیا ہے چوں کہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اس لیے پاکستان کے سماجی نظام میں یہ اصول اہم حیثیت کے حامل ہیں۔

نتائج بحث

۱۔ معاہدات نبوی کی روشنی میں سماج میں بہتری لائی جاسکتی ہے۔

۲۔ معاہدات نبوی میں سماج کی بہتری کے جو اصول پائے جاتے ہیں دیگر مذاہب میں اس کی مثال نہیں۔

۳۔ معاہدات کی پاسداری سے امن وابستہ ہے۔ اس لیے قرآن نے "معاہدات" کو نیکی کا جزو قرار دیا ہے۔

۴۔ معاہدات نبوی میں مذہبی اور شخصی آزادی کا پہلو نمایاں ہے، جو معاشرتی امن کی علامت ہے۔

۵۔ معاہدات بنوی کی پاسداری سے مسلم اور غیر مسلم سب کی جان ومال کو تحفظ ملا۔

۶۔ معاہدات کی پاسداری سے نہ صرف سماجی استحکام ممکن ہوا، بلکہ معاشی بہتری کے لیے اشتراک کو فروغ ملا۔

۷۔ معاہدات کے ذریعے "سماجی مساوات" کو فروغ دیا گیا ہے۔

۸۔ معاہدات نبوی کے عملی اقدامات سے سماجی عدل وانصاف کو یقینی بنایا گیا۔

تجاویز وسفارشات

حکومتی اداروں کے لیے سفارشات:

۱۔ ملک میں سماجی بہتری کے لیے اندرونی ملک وبیرونی ملک معاہدات کو یقینی بنایا جائے۔

۲۔ معاہدات نبوی کی روشنی میں امن وامان کے نفاذ کے لیے ملک کے سرحدی ممالک کے ساتھ معاہدات کیے جائیں۔

۳۔ اسلامی ممالک کا O.I.C کے پلیٹ فارم پر آپس میں دفاعی معاہدات کا قیام عصرِ حاضر کی ضرورت ہے۔

۴۔ بین الاقوامی سطح پر معاہدات میں اسلامی تعلیمات کے بنیادی اصولوں کو مد نظر رکھا جائے۔

۵۔ انسانی جان اور اموال کے تحفظ کے لیے او-آئی-سی، انسانی حقوق کی تنظیم یو۔این۔او۔ پر معاہدات کی پاسداری کے لیے اثرورسوخ بڑھائے۔

۶۔ معاہدات نبوی سے مستفاد سیاسی اور سماجی اصولوں کی روشنی میں عملی اقدامات عصرِ حاضر میں مسلم ریاست کی ضرورت ہے۔

۷۔اسی طرح معاشی، سماجی اور دفاعی استحکام کے لیے عصرِ حاضر میں معاہدات نبوی کے اصولوں کو مد نظر رکھا جائے۔

محققین کے لیے سفارشات:

۱۔دعوت دین کے لیے معاہدات کے ذریعے غیر مسلموں سے میل جول برقرار رکھا جائے جو عصرِ حاضر کی ضرورت بھی ہے۔

۲۔ریاستی امن وامان کے لیے معاہدات بنوی کی روشنی میں مذہبی آزادی اور رواداری کو فروغ دیا جائے۔

۳۔معاشرے میں معاہدات کی اہمیت کو اجاگر کیا جائے۔

۴۔تحریر اور تقریر کے ذریعے معاہدات کی روشنی میں سماج میں اخلاقی اور بنیادی اقدار کی بہتری اور مذہبی شدت پسندی کے خاتمے کے لیے کوششیں کی جائیں۔

۵۔معاہدات نبوی کے تناظر میں فکری انقلاب کی جہات پر مستقبل میں تحقیق کی ضرورت ہے۔

عوام الناس کے لیے سفارشات:

۱۔ معاہدات کو پورا کرنے کے لیے یقینی اقدامات کریں

۲۔ معاہدہ توڑنے والوں کے خلاف معاشرتی بائیکاٹ کیا جائے تا کہ سماج میں اس برائی کو ختم کیا جائے۔

۳۔ علاقائی یا قبائلی معاہدات کرتے ہوئے اسلامی اقدار کا لحاظ رکھا جائے۔

۴۔ سماج میں معاہدات کی اہمیت اور مذہبی رواداری کے عنوانات پر مبنی بیانات کے لیے علما کو اپنے علاقے میں مدعو کیا جائے۔

فہرست آیات قرانی

نمبر شمار	متن آیت	سورت	آیت نمبر	صفحہ نمبر
۱	لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ - - - -	البقرہ	۱۷۷	۳۷
۲	وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ - - - -	البقرہ	۸۳	۶۱
۳	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا- - - -	البقرہ	۲۰۸	۹۶
۴	وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً - - - -	البقرہ	۳۰	۹۹
۵	فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ- --	البقرہ	۱۷۸	۱۴۳
۶	وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ۚ	البقرہ	۲۷۵	
۷	وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ - - -	آل عمران	۸۱	۶۱
۸	إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ	آلِ عمران	۵۹	۸۳
۹	فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ- - - -	آلِ عمران	۶۱	۸۳
۱۰	كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ - -- - -	آلِ عمران	۱۱۰	۱۴۰
۱۱	قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا- - -	آل عمران	۶۴	۱۳۵
۱۲	وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ ۖ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ ۖ وَلَا- - - -	النساء	۲	۱۰۷
۱۳	وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ- - -	النساء	۱۰۲	۱۶۰
۱۴	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ۚ أُحِلَّتْ لَكُم بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ - -	المائدہ	۱	۱۳،۱۱
۱۵	وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ -- - -	المائدہ	۸	۳۱

۱۶	الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ	المائدہ	۳	۸۰
۱۷	وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا- - -	المائدہ	۲	۱۱۵
۱۸	مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا- - -	المائدہ	۳۲	
۱۹	وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ	المائدہ	۴۲	۹۸
۲۰	وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ- - -	الانعام	۱۵۲	۱۲
۲۱	إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ	الانعام	۵۷	۹۶
۲۲	أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ	الاعراف	۵۴	۹۶
۲۳	وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ	الانفال	۵۸	۳۲
۲۴	كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِندَ اللَّهِ وَعِندَ رَسُولِهِ	التوبہ	۷	۳۸
۲۵	فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ - - -	التوبہ	۷۷	۳۹
۲۶	إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ - - - -	النحل	۹۰	
۲۷	وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا	النحل	۹۱	۳۳
۲۸	وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا- - -	بنی اسرائیل	۲۳	۱۰۱
۲۹	وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا - - --	بنی اسرائیل	۲۴	۱۰۱
۳۰	وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا- - - -	بنی اسرائیل	۲۶	۱۰۳
۳۱	وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا -	بنی اسرائیل	۲۶	۱۰۴
۳۲	إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ- - -- -	بنی اسرائیل	۲۷	۱۰۴
۳۳	وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۚ	بنی اسرائیل	۳۴	۱۰۷

۳۴	وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ	بنی اسرائیل	۳۵	۱۰۸
۳۵	وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ	بنی اسرائیل	۳۶	۱۰۹
۳۶	وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا	بنی اسرائیل	۳۴	۱۰۸،۳۹
۳۷	وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ- - -	بنی اسرائیل	۳۳	۱۰۶
۳۸	وَمَن قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا- - --	بنی اسرائیل	۳۳	۱۰۷
۳۹	وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّكَ لَن- - -	بنی اسرائیل	۳۷	۱۱۰
۴۰	وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا	الاسراء	۳۴	۱۰۸
۴۱	وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ - -	مریم	۵۴	۳۷
۴۲	الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ -- -	الحج	۴۱	۷۷،۹۷
۴۳	إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ	الشعراء	۱۰۷	۳۲
۴۴	وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ	القصص	۲۳	۲۸
۴۵	فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ	القصص	۲۴	۲۹
۴۶	وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ - - -	العنکبوت	۴۶	۱۵۳
۴۷	الم (۱) غُلِبَتِ الرُّومُ (۲) فِي أَدْنَى الْأَرْضِ	الروم	۱ – ۳	۸۸
۴۸	مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ۖ فَمِنْهُم- - -	الاحزاب	۲۳	۱۰
۴۹	يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ- - -	الحجرات	۱۳	۱۴۴

فہرست احادیث

صفحہ نمبر	متن حدیث	نمبر شمار
۱۲۵	اَلْمُؤمنون تَتَكَافاَ دِمَاؤهِمْ، وَيسْعى بِذِمَّتِهِمْ اَدْنَاهُمْ، وَهمْ يدٌ-----	۱
۳۸	أَرْبَعُ خِصالٍ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَنَّ مُنَافِقًا خَالِصًا مَنْ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ---	۲
۵۱	أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ وَحَوْلَهُ عِصَابَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ : تَعَالَوْا بَايِعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ ------	۳
۱۴۵	إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللهِ تَعَالَى عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ عَلَى يَمِينِ ---	۴
۱۴۸	اِذَا سَرَقَ فِيهِمْ الشَّرِيْفُ تَرَكُوه و اِذا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ قَطَعُوْه، لَوْ كَانَتْ فَاطِمَة لَقَطَعْت يدها----------	۵
۱۰۱	اَنَّ رَجُلاً سَالل النبى ﷺ اىُ الاعمال اَفضل-----	۶
۱۴۹	بَلَغَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ بِقُبَاءٍ كَانَ بَيْنَهُمْ شَيْءٌ فَخَرَجَ يُصْلِحُ بَيْنَهُمْ فِي أُنَاسٍ مِنْ أَصْحَابِهِ	۷
۲۶	عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهماأن النبي ﷺ عامل أهل خيبر بِشَطْرٍ ما يخرج	۸
۴۲	لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُونَ، مِنْ مَكَّةَ، الْمَدِينَةَ قَدِمُوا وَلَيْسَ بِأَيْدِيهِمْ شَيْءٌ، وَكَانَ الْأَنْصَارُ أَهْلَ الْأَرْضِ وَالْعَقَارِ، فَقَاسَمَهُمُ الْأَنْصَارُ ----	۹
۱۴۹	لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ فَيَنْمِي خَيْرًا أَوْ يَقُولُ ۔	۱۰
۱۲۵	مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مُعَاهَدَة بغير حِلِّهَا، حَرَّمَ الله عَلَيه الْجَنَّةَ----	۱۱
۱۴۵	مَنْ قَتَلَ عَبْدَهُ قَتَلْنَاهُ، وَمَنْ جَدَعَ عَبْدَهُ جَدَعْنَاهُ)) مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيحَهَا ------	۱۲
۱۴۹	مَن كره مِن اَميرِہٖ شَیءَ فَلَیَصبِر	۱۳

مصادر و مراجع

القرآن الحکیم

تفاسیر و علوم قرآن

۱۔ آلوسی، شہاب الدین، محمود بن عبد اللہ، روح المعانی، دار الفکر، ۱۹۷۷ء

۲۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم (مکتبہ القیمۃ، قاہرہ، ۱۹۸۷ھ

۳۔ ابو حیان، محمد بن یوسف اندلسی، بحر المحیط (مکتبۃ السعادۃ، مصر، ۱۳۱۸ھ)

۴۔ الازھری، محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، (پبلی کیشنز، لاہور، ۱۳۹۹ھ)

۵۔ اصلاحی، امین حسن، تدبر القرآن (، فاران فاؤنڈیشن، ۱۴۰۳ھ)

۶۔ احمد تعلیب، عبد المنعم، فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن، بیروت، مؤسسۃ الاسلامی (۱۴۳۰)

۷۔ رازی، فخر الدین امام، تفسیر رازی، (۱۱۴۹ھ)

۸۔ سعیدی، غلام رسول، بیان القرآن، فرید بک سٹال (۲۰۰۰)

۹۔ طبری، محمد بن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن (دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۰۰ھ)

۱۰۔ عاشق الٰہی، مولانا انوار القرآن فی کشفِ اسرار القرآن، مکتبہ تعلیفات الشرافیہ، ملتان،

۱۱۔ عثمانی، مفتی شفیع، معارف القرآن / ادارہ معارف القرآن، کراچی، پاکستان، ۱۹۹۳ء

۱۲۔ کاندھلوی، ادریس مولانا، معارف القرآن، مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد (۱۳۸۲)

۱۳۔ مودودی، سیّد ابو الاعلی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۹۴ء

علوم سیرت

۱۔ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی بن محمد فتح الباری، دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان، ۱۳۷۹ء

۲۔ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک الحمیری، السیرۃ النبویہ، بیروت، لبنان ۱۴۱۰ھ

۳۔القادری، ڈاکٹر، طاہر القادری، "سیرۃ الرسول" منہاج پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء

۴۔امیر علی، روح اسلام، مکتبہ کراچی، ۱۹۴۹ء

۵۔احمد العلی، صالح الدولۃ فی عہد الرسول، مطبعۃ المجمع العلمی العرافی، ۱۹۸۸ء

۶۔ الازہری، محمد کرم شاہ، ضیاء النبی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز ۱۹۷۸

۷۔المودودی، الوالاعلی، سیّد، سیرت سرور عالم، پبلی کیشنز (۲۰۰۲)

۸۔السھیلی، عبد الرحمٰن، روضۃ الانف، دار النصر الطباعۃ القاہرہ (۱۳۴۵)

۹۔بلاذری، احمد بن یحیٰی، فتوح البلدان، طبع قاہرہ، ۱۹۰۱ء

۱۰۔حمید اللہ، ڈاکٹر، مجموعہ الوثائق السیاسیۃ، دارالنفائس، بیروت، ۱۹۸۳ء

۱۱۔خالد علوی، انسان کامل، یونیورسٹی بک ایجنسی، انارکلی، لاہور، (۱۹۷۴)

۱۲۔رضاخان، امام، محدث بریلوی، سیرت مصطفیٰ جان رحمت، شبیر برادرز، ۲۰۰۲ء

۱۳۔زینت ہارون، حضرت محمد ﷺ کی مدنی زندگی، خواجہ پرنٹرز پبلی کیشنز، کراچی، سن ندارد

۱۴ ۔ سیرت انسائیکلوپیڈیا

۱۵۔ سراج الدین، مفتی محمد، اسلام کا سیاسی نظام، ایفا پبلی کیشنز، جامعہ نگر نئی دہلی، ۲۰۱۴ء

۱۶۔ شبلی نعمانی، علامہ، سیرت النبی، نظامی پریس، لاہور، ۱۹۷۹ء

۱۷۔شریعمداری، محمد تقی، آئینہ مباہلہ، تہران تحقیقات اسلامی، ۱۳۶۵ھ

۱۸۔شہباز، اسد اللہ، نقوش سیرت، مکتبہ العصریہ، کراچی (سن ندارد)

۱۹۔طبری، محمد بن جریر، تاریخ طبری، نفیس اکیڈمی، سن ندارد

۲۰۔عبد الرشید، محمد، اسلامی ریاست، الفیصل ناشران و تاجران کتب۔ سن ندارد

۲۱۔ عبد اللہ بن محمد، صالح، نضرۃ النعیم فی مکارم الاخلاق الرسول الکریم، دار الوسیلۃ المملکۃ العربیۃ (۱۴۴۳)
۲۲۔ غزنی، محمد داؤد، اسلامی ریاست کے اساسی اصول و تصورات، مکتبہ نذیریہ، (۱۹۶۰)
۲۳۔ لقمان اعظمی، ڈاکٹر، سیّد ندوی، عہد نبوی کا مدنی معاشرہ، البدر پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء
۲۴۔ نعیم صدیقی، محسن انسانیت، الفیصل ناشران و تاجران، ۱۹۹۰ء
۲۵۔ محمد بن اسماعیل، بخاری الصحیح البخاری، مکتبہ رحمانی (۱۴۲۲)
۲۶۔ محمد بن اسعد، ابو عبد اللہ بغدادی، طبقات ابن سعد نفیس اکیڈمی (۲۳۰ھ)
۲۷۔ مبارک پوری، صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، المتبہ السلفیہ، لاہور، ۲۰۰۰ء
۲۸۔ محمد یعقوب، جانِ رحمت، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء
۲۹۔ محمد صدیق، پروفیسر، رسول اکرم کی سیاست خارجہ، ایورگرین پریس، لاہور، ۲۰۰۶ء
۳۰۔ محمد بن محمد، الحافظ ابی الفتح، عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والیسر، مکتبہ دار التراث، ()
۳۱۔ محمد ثانی، ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کی رواداری، فضل سنز، کراچی، ۱۹۹۸ء
۳۲۔ مولانا، رفیق، پروفیسر، نبی امن و آشتی، مکتبہ قرآنیات، ۲۰۰۹ء
۳۳۔ محمد سرور خان، رانا، سیرت سرور کونین، رانا سرور خان پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء
۳۴۔ محمد طفیل، نقوش رسول ﷺ، ادارہ فروغ اردو (۲۰۰۴)

علوم حدیث:

۱۔ قشیری، مسلم بن حجاج، **صحیح مسلم** (کراچی، مکتبۃ البشری، ۱۴۳۲ھ)،
۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، **الصحیح البخاری**، دار طوق النجاۃ ۱۴۲۲ھ
۳۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ، ابو عیسیٰ، **سنن الترمذی**، دار السلام، الریاض، ۱۹۹۹ء
۴۔ احمد بن حنبل، ابو عبد اللہ بن محمد، **المسند**، شعیب الانواط، موسسۃ الرسالہ، ۲۰۰۱
۵۔ سجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابو داؤد، المکتبہ العصریہ، دار الرسالۃ العلمیۃ ۱۴۳۰ھ
۶۔ ابنِ ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید، **سنن ابن ماجہ**، (دار الرسالۃ العلمیۃ، الطبعۃ الاولی ۱۴۳۰ ھ
۷۔ نسائی، احمد بن شعیب، ابو عبد الرحمن، **سنن نسائی**، بیروت، ۱۴۱۱

لغات

۱۔ الجزائری، نور الدین شیخ، الفرق اللغوتہ، بیروت، مؤسسۃ العشر الاسلامی

۲۔ اصفہانی، ابو القاسم، راغب حسین بن محمد، مفردا القرآن، مکتبہ مصطفیٰ البابی الحلبی، القاہرۃ، ۱۹۶۱ء

۳۔ ابن فارس، احمد بن فارس، بن زکریا، معجم مقلییس الغۃ، بیروت، دارالفکر، ۱۹۸۰ء

۴۔ ابراہم مصطفیٰ، احمد حسن زیارت، المعجم الوسیط، دارالاحیاء، التراث، بیروت، لبنان، ۱۹۹۸ء

۵۔ الترمذی، محمد بن محمد، تاج العروس من جواہر القاموس، مکتبہ الکویت، ۱۹۸۴ء

۶۔ بلیاوی، عبد الحفیظ، ابو الفضل، مولانا، مصباح اللغات، المصباح اردو بازار، لاہور

۷۔ فیروز الدین، فیروز اللغات (اردو) فیروز سنز، لاہور، ۱۹۶۴ء

۸۔ فیروز آبادی، محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، المکتبۃ العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۱ء

۹۔ مرھی، ابو الحسن علی بن اسماعیل، المحکم والمحیط الاعظم، بیروت، دارالکتب العلمیہ

۱۰۔ محمد بن مکرم، ابن منظور افریقی، لسان العرب، دارالصاد، بیروت، ۱۹۵۶ء

فقہ اسلامی

۱۔ ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، مطبعہ العلمیہ، مصر، ۱۳۵۲ھ

۲۔ السرخنی، شمس الدین ابو بکر محمد بن الاسماعیل، المبسوط، مطبۃ السعادۃ، ۱۹۷۸ء

۳۔ الکاسانی، علاؤالدین، مسعود بن احمد بدائع الصنائع ترتیب الشرائع، دار لکتاب العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۸۲ء

۴۔ القرضاوی، یوسف (علامہ) اسلام میں تصور حلال و حرام، دارالابلاغ پبلشرز، ۲۰۱۳ء

متفرقات

۱۔ حامد الانصاری، غازی، اسلام کا نظام حکومت ناشر مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۷

۲۔ الایضاح، غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کا جائزہ، ڈاکٹر عشرت بصری

۳۔ شاہ نجیب، اکبر، تاریخ اسلام، الفیصل ناشران و تاجران

۴۔ عاصمہ عمران، ایکسپریس نیوز، جمعہ، ۲۰ اکتوبر، ۲۰۱۷ء

۵۔ محمد عبداللہ قریشی، آئینہ کشمیر، مطبوعہ کانپور، ۱۹۸۱ء

۶۔ عبدالروف،ڈاکٹر، عصر رواں سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں، مکتبہ قدوسیہ لاہور ۲۰۱۲

۷۔ کشمیر نیوز، کالم، شیخ جواد، جمعرات، ۲۳ ستمبر ۲۰۲۱ء

۸۔ مشتاق احمد، جہاد اور معاصر بین الاقوامی قوانین، اگست

1. https://languages.ourp..com/google-dictionary.net
2. Encyclopedia of islam.vol-iv.
3. https://www.your dictionary.com
4. www.gibbon,declinedecline and fall of Roman Empire, Modern Library, New Yark.
5. The Encycolopedia of Islam, New edition Vol.F.to.J
6. Ref# Finder, S.F., Fire Constutiions.